مقالات

پاکستان کا ایک محقق لغوی اور نامور محدث

حسن بن محمد الصغانی اللاہوری

از
مولانا محمد عبد الحلیم چشتی فاضل دیوبند

امام حسن صغانی لاہوری کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، لیکن ان کے حالات زندگی اس قدر کم معلوم ہیں کہ تشنگان ذوق کے لب بھی تر نہیں ہو سکتے. اس پایہ کا محقق لغوی، ادیب، شاعر، مورخ و فقیہ، محدث و نساب، سیاست داں اور سیاح اگر کہیں مصر یا اندلس میں پیدا ہوتا تو اس کثرت سے اس کی سوانح عمریاں لکھی جاتیں کہ اس کی تصویر کا ایک ایک خد و خال آنکھوں کے سامنے آجاتا، لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ ایسے شخص کے حالات بھی ارباب تذکرہ بیس پچیس سطروں سے زیادہ لکھنا گوارا نہیں کرتے، ہمارے تذکرہ نویسوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب جمع کر دیا جائے تب بھی ان کی زندگی کا کوئی پہلو نمایاں ہو کر نظر نہیں آتا، جسقدر تذکرے ہیں، سب ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں اور وہی چند واقعات ہیں جن کو بہ اختلاف الفاظ سب نقل کرتے آئے ہیں۔

شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے تاریخ الاسلام میں صغانی کا جو تذکرہ لکھا ہے

عموماً وہی تذکرہ نویسوں کی معلومات کا ماخذ رہا ہے، ابتدائی حالات چونکہ انھوں نے کچھ بہم نہیں پہنچائے، یہی وجہ ہے کہ تمام تذکرے اس باب میں یکسر خاموش ہیں ۱

علامہ ذہبی سے پہلے ان کے استاذ اور نامور حافظ الحدیث شرف الدین ابو محمد عبدالمومن الدمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ نے اپنے استاد حسن صغانی کی لائف لکھی تھی جس کا تذکرہ شمس الدین السخاوی المتوفی ۹۰۲ھ نے الجواہر والدرر فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن حجر میں کیا ہے، مگر ہمیں اس کا پتہ مشہور مستشرق روزنتھال (Rosenthal) کی کتاب A History of Muslim Historiography سے چلا، جب یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں لندن سے شائع ہو کر پاکستان آئی تو ہماری نظر سے بھی گذری، ہم نے مستشرق موصوف کو خط لکھا کہ ہم صغانی کی سوانح حیات پر کام کر رہے ہیں، اگر آپ کو اس نسخہ کا کہیں پتہ چلا ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں، موصوف نے لکھا

مع الاسف لا توجد نسخۃ من اخبار الصغانی فی مکاتب الشرق والغرب فیما اظن وعسی ان توجد نسخۃ منہا فی المستقبل

ہمیں اس کا ابتک سراغ نہیں مل سکا، امام حسن صغانی کی تصانیف میں جابجا واقعات کے جو اشارے ملے ہیں اور ایک ایک نکتہ کا سراغ لگا کر جو سرمایہ ہاتھ آیا ہے وہ نذر احباب ہے۔

حسن نام، ابو الفضائل[1] کنیت اور رضی الدین لقب تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے؛

---

[1] صغانی کے تذکرہ نگاروں میں سے اسماعیل پاشا نے ہدیۃ العارفین (طبع استنبول ۱۹۵۱ء ج ۱ کالم نمبر ۲۸۰) میں ابو الفضائل کے بجائے ابو العباس کنیت ذکر کی ہے، جو صحیح نہیں، ابو العباس جن کی کنیت ہے ان کا نام فضل بن عباس بن یحییٰ بن الحسین الصاغانی ہے جو خطیب بغدادی کے استاد اور نہایت بلند پایہ محدث تھے۔ فن حدیث وغیرہ میں متعدد تالیفات انکی یادگار ہیں۔

حسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی بن اسماعیل القرشی العدوی العمری الحنفی الصغانی اللاہوری، ابن ابی الوفا نے الجواہر المضیہ میں تصریح کی ہے کہ آپ نسباً فاروقی تھے، اسی نسبت سے العمری لکھتے تھے۔[2]

---

[1] ارباب تذکرہ میں سے ابن الفوطی البغدادی شمس الدین الذہبی، قاسم بن قطلوبغا الحنفی، جلال الدین السیوطی، ابن شاکر الکتبی، مورخ کفوی، ابو رافع محمد السلمی، ابن العماد الحنبلی، ابن تغری بردی، سید مرتضیٰ زبیدی، محمد باقر الخوانساری، آزاد بلگرامی، مولانا عبد الحئی فرنگی محلی اور حکیم عبد الحئی لکھنوی نے صغانی کا سلسلہ نسب اتنا ہی لکھا ہے یاقوت حموی، نواب صدیق حسن خاں قنوجی اور مولوی رحمان علی نے اور بھی اختصار و اجمال سے کام لیا ہے۔ لیکن محدث عبد القادر القرشی الحنفی المتوفی ۷۷۵ھ نے الجواہر المضیہ (طبع حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ ج ۱ ص ۲۰۱) میں اور ڈاکٹر ہفنر (Haffner) نے کتاب الاضداد (طبع بیروت ۱۹۱۲ء) کے مقدمہ میں علی کے بعد اسماعیل کے نام کا بھی اضافہ کیا ہے۔

صغانی کی مشہور کتاب الاضداد کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ پیر جھنڈا وسندھ (ضیاء الدین مرحوم) میں ہماری نظر سے گذرا ہے، یہ نسخہ غالباً دسویں صدی ہجری سے قبل کا لکھا ہوا ہے، اس کے سرورق پر امام صغانی کا نہایت مختصر تذکرہ بھی منقول ہے، اس میں بھی موصوف کا سلسلہ نسب اتنا ہی مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

کتاب الاضداد من تالیف الشیخ الامام العلامۃ الفقیہ المحدث اللغوی ابی الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی بن اسمٰعیل القرشی العدوی الخ

خود امام صغانی نے بھی العباب کے مقدمہ میں اپنا سلسلہ نسب اس سے زیادہ نقل نہیں کیا ہے، لکھتے ہیں:

قال الملتجی الی حرم اللہ تعالیٰ الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی بن اسمٰعیل العمری قد الصغانی الخ

العباب الزاخر کا مقدمہ ہمارے کرم فرما ہندوستان اور پاکستان کے نہایت نامور محقق لغوی اور ادیب مولانا عبدالعزیز صاحب میمنی نے استنبول کے کتبخانہ سے نقل کیا تھا، اسکی نقل ہم نے بھی موصوف سے حاصل کی ہے جس کے ہم نہایت ممنون ہیں۔

[2] ملاحظہ ہو الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، طبع حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ ج ۱ ص ۲۰۱

الصغانی ۔ صغانیاں کی طرف نسبت ہے ، اہل عرب دریائے وخش (جسے اب سرخ آب کہتے ہیں) کے مغربی اور دریائے جیحون کے جنوبی علاقہ کو صغانیاں کہتے ہیں ، یہی علاقہ جسے اہل عجم چغانیاں کے نام سے پکارتے ہیں ، اس علاقہ کے مشرقی حصہ کو قبا ذیاں بولتے ہیں ، صغانیاں وہ شہر ہے جسے اب سرآسیا کہتے ہیں ، یہ دریائے صغانیاں کے بالائی حصہ پر واقع ہے ۔

مجد الدین فیروز آبادی جو صغانی کے بدو واسطہ شاگرد ہیں ، القاموس المحیط (مادہ صغن) میں لکھتے ہیں :

صغانیاں ماوراء النہر میں ایک بڑا ملک تھا ، اس کی طرف امام لغت الحسن بن محمد بن الحسن صاحب التصانیف منسوب ہیں ، اس کی طرف نسبت میں صغانی اور صاغانی دونوں طرح بولتے ہیں ۔

سید مرتضی زبیدی ، تاج العروس شرح القاموس میں تحریر فرماتے ہیں :

میں نے العباب اور التکملہ میں امام صغانی کے قلم سے لکھا ہوا دیکھا ہے ، وہ اپنی نسبت ہر جگہ یہی لکھتے ہیں "یقول محمد بن الحسن الصغانی" بلا الف نہ کہ بالالف (تعجب ہے کہ امام صغانی کا نام حسن بن محمد بن الحسن ہے ، پھر وہ محمد بن الحسن کیونکر لکھ سکتے تھے ، معلوم ہوتا ہے سید مرتضی زبیدی سے نقل میں حسن کا لفظ رہ گیا ہے ، یا تقدم و تاخر ہو گیا ہے) صاحب القاموس کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ نسبت میں صغانی اور صاغانی دونوں طرح جائز ہے جس کی طرف نسبت ہے ، وہ جگہ ایک ہی ہے ، اور اسی پر میرا عمل ہے ، چنانچہ میں کبھی قال الصغانی اور کبھی قال الصاغانی لکھتا ہوں ۔"

سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ (کراچی) کے کتب خانہ میں حسن صغانی کی کتاب مجمع البحرین کا جو روٹوگراف (Rotograph) ہمارے مطالعہ سے گذرا ہے ۔

اس میں مادہ صغن کے تحت صغانی رقمطراز ہیں:

صغن اهمله الجوهری والصغانة مثال سحابة من الملاهی معروفة وهی معربة چغانه ومحمد بن اسحٰق الصغانی من ثقاة المحدثین وغیره من الصغانیین منسوبون الی بلد یسمی چغانیان بماوراء النهر کثیر الخیر مخصب فی کل دار من دورهم ماء جار قال البشاری به ستة عشر الف قریة فـا بدلت الجیم صادا کقولهم الجص واصله گچ والصنج واصله چنگ

لفظ صغن کو جوہری نے صحاح میں چھوڑ دیا ہے، صغانہ بروزن سحابہ، یہ آلات سرود میں سے ایک مشہور آلہ ہے، صغانہ چغانہ کا معرب ہے، اور ثقاۃ محدثین میں سے محمد بن اسحٰق الصغانی وغیرہ صغانیان کے باشندے ہیں اور اسی شہر کی طرف منسوب ہیں جو ماوراء النہر میں چغانیان کے نام سے پکارا جاتا ہے، یہ نہایت سرسبز و شاداب مقام ہے، یہاں ہر گھر میں چشمہ بہتا ہے، بشاری کا بیان ہے یہاں چھوٹی چھوٹی سولہ ہزار بستیاں تھیں، چغانیان میں جیم کو صاد سے بدلا گیا ہے، جیسے اہل عرب کے قول جص میں کہ اسکی اصل گچ تھی اور صنج میں کہ اسکی اصل چنگ تھی،

صغانی کے اس جملہ "محمد بن اسحٰق الصغانی من ثقاة المحدثین وغیره من الصغانیین منسوبون الی بلد یسمی چغانیان" سے ثابت ہوتا ہے کہ موصوف کا آبائی وطن چغانیان تھا۔

فابدلت الجیم صادا سے صغانی نے اس قاعدہ کو بتایا ہے کہ اہل عرب کاف فارسی کو

جیم سے اور جیم فارسی کو صاد سے بدلتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر وہ کلمہ جس میں صاد اور جیم جمع ہو جائیں، وہ معرب ہوتا ہے، کیونکہ صاد اور جیم عربی الاصل کلمہ میں جمع نہیں ہوتے ہیں۔

مذکورۂ بالا بیان سے پتہ چلتا ہے کہ چغانہ اور چنگ بھی چغانیوں کی ایجاد ہے۔

سنہ ولادت حسن صغانی کے سنہ ولادت میں اختلاف ہے، شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تاریخ الاسلام میں رقمطراز ہیں:

ولد بمدینة لوهور فی عاشر صفر سنة سبع وسبعین وخمس مائة[1]	صغانی دس صفر ۵۷۷ھ کو شہر لاہور میں پیدا ہوئے تھے۔

عبد القادر القرشی نے الجواہر المضیہ[2] میں یہی سال ولادت نقل کیا ہے، مگر یوم ولادت روز چہارشنبہ بتایا ہے، الاعلام الاخیار میں مورخ کفوی نے تاریخ پیدایش ۱۰ر صفر کے بجائے ۱۵ر صفر قرار دی ہے[3]۔

یہی سال ولادت ابن شاکر الکتبی، ابو رافع السلامی، طاش کبری زادہ، سیوطی، کفوی، آزاد بلگرامی، سید صدیق حسن خاں قنوجی، مولانا عبد الحی فرنگی محلی، الخوانساری، ڈاکٹر ہنفر وغیرہ نے نقل کیا ہے، مگر ان سب نے حوالہ شمس الدین الذہبی کا دیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام، ترجمہ حسن بن محمد الصغانی، اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ رامپور میں موجود ہے، ہمارے کرم فرما جناب امتیاز علی صاحب عرشی نے اس کی نقل ہمیں بھیجی ہے جس کے ہم بہت ممنون ہیں [2] الجواہر المضیہ ج ۱ ص ۲۰۱ [3] الاعلام الاخیار من فقہاء مذہب النعمان المختار از مورخ محمود بن سلیمان کفوی، ترجمہ حسن بن محمد الصغانی، یہ کتاب دو جلدوں میں ہے، اس کا ایک مخطوطہ ٹونک کے کتب خانہ میں ہے، ہمارے دوست محمد عمران خاں نے اسی کتاب سے صغانی کا ترجمہ نقل کرکے ہمیں بھیجا ہو جس کے ہم بہت ممنون ہیں۔

بارے میں ناقلین کی معلومات کا تمام تر دارومدار علامہ ذہبیؒ کے بیان پر ہے، سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ کراچی کے کتب خانہ میں صغانی کی کتاب مجمع البحرین کا جو فوٹو گراف ہمارے مطالعہ سے گذرا ہے، اس کے سرورق پر صغانی کا تذکرہ بھی موجود ہے، اس میں بھی صغانی کا سال ولادت یہی منقول ہے،

ارباب تذکرہ نے بالاتفاق سال وفات ۶۵۰ھ نقل کیا ہے، اس حساب سے موصوف کی عمر پچھتر سال قرار پاتی ہے۔

ہمیں جمہور مورخین کے اس بیان سے اتفاق نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خود صغانی نے اپنے قیام غزنہ ۵۸۰ھ کا ایک نہایت علمی واقعہ اپنے والد کی زبانی نقل کیا ہے جمہور مورخین کے قول پر اس وقت صغانی کی عمر مشکل سے تین سال کی ہوتی ہے، تین برس کا بچہ جو اچھی طرح سے بول بھی نہیں سکتا، وہ عربی ادب کی بلند پایہ کتاب حماسہ کو کیا سمجھ سکتا ہے، اور اس کے اشعار کو کیونکر یاد رکھ سکتا ہے، یہ واقعہ خود صغانی کی زبانی سننے کے لائق ہے، موصوف العباب میں رقمطراز ہیں:

سمعت والدي المرحوم بغزنة	میں نے ۵۸۰ھ میں غزنہ میں اپنے
في شهور سنة ثمانين وخمسمائة	والد مرحوم سے سنا تھا، وہ فرماتے
يقول كنت اقرأ كتاب الحماسة	تھے کہ جس زمانہ میں اپنے استاد ابو تمام
لابي تمام على شيخي بغزنة	کا حماسہ پڑھتا تھا، مجھے یاد ہے کہ
ففسر لي هذا البيت:	انھوں نے اس شعر:
بيض مفارقنا تغلي مراجلنا نأسو باموالنا آثار ايدينا	ہمارے سر کے بال مشک کے استعمال کی وجہ سے سفید ہوگئے، ہماری دیگیں (مہمانوں) کیلیے جوش کھا رہی ہیں ہمارے ہاتھوں کے زخموں کا علاج ہم اپنے اموال سے کرتے ہیں یعنی ہم سزا دیتے ہیں دیت دیتے ہیں یا ہم سے قصاص

واوّل لی قولہ بعض مفارقنا	کا مطلب بتایا، پھر شاعر کے اس قول یعنی
مائتی تاویل فاستغربت	مفارقنا کی دوسو تاویلیں بیان کیں، مجھے
ذالک حتی وجدت الکتاب	بڑی حیرت ہوئی کہ کہیں اتنے سے جملہ کی
الذی یبین فیہ ھذہ الوجوہ	دوسو تاویلیں کی جا سکتی ہیں، تا آنکہ مجھے
ببغداد فی حدود سنۃ	۶۴۰ھ میں بغداد میں وہ کتاب مل گئی
اربعین و ستمائۃ والحمد	جس میں اس کے یہ وجوہ مذکور تھے
للہ علی نعمہ[1]	الحمد للہ علی احسانہ

صغانیؒ کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سن شعور کا ہے، لہذا سال ولادت ۶۵۰ھ ہرگز صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مولانا سید عبد الحئی لکھنوی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں۔

ولد بمدینۃ لاھور فی خامس	صغانی خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی
عشر من صفر سنۃ سبع و خمسین	کے عہد حکومت میں ۱۰ر صفر
وخمسمائۃ فی ایام خسرو ملک	۵۵۷ھ کو لاہور میں پیدا
بن خسرو شاہ الغزنوی[2]	ہوئے تھے۔

مولانا عبد الحئی لکھنوی نے ماخذ کا اگرچہ حوالہ نہیں دیا ہے، مگر ہمارا خیال ہے کہ ان کا یہ بیان مشارق الانوار کے اس نسخہ سے منقول ہے جو ۱۳۲۹ھ میں استنبول سے شائع ہوا تھا، اس کے سرورق پر ترکی زبان میں ان کا جو تذکرہ شائع ہوا ہے، اس میں یہی سال ولادت مذکور ہے مگر اس کے بھی اصل ماخذ کا کچھ پتہ نہیں، لہذا اس پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] ملاحظہ ہو العباب بحوالہ تاج العروس مادہ ب۔ی۔ص [2] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۳۷

سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس میں شمس الدین الذہبی کے حوالہ سے صغانی کا سال ولادت
۵۵۵ھ نقل کیا ہے[1] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سید مرتضیٰ زبیدی کے پیش نظر تاریخ الاسلام کا جو
نسخہ تھا اُس میں یہی سال ولادت مذکور تھا، سید مرتضیٰ زبیدی نے چونکہ سالِ ولادت ہندسوں
میں نقل کیا ہے، حروف میں ضبط نہیں کیا، اس لیے احتمال ہے کہ اصل میں وہ ۵۷۵ھ ہو جو
معمولی تغیر سے ۵۵۵ھ بن گیا ہو، تاج العروس میں اکثر ایسا ہوا ہے، مگر یہاں کچھ قرائن ایسے
موجود ہیں جن سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ جو سال ولادت سید مرتضیٰ زبیدی نے نقل کیا
ہے، وہی صحیح ہے،

کمال الدین الدمیری المتوفی ۸۰۸ھ حیٰوۃ الحیوان میں لفظ حصور کے تحت العباب
سے ناقل ہیں:

الحصور الناقۃ الضیقۃ	حصور وہ اونٹنی ہے جس کا احلیل نہایت
الاحلیل والحصور من الرجال	تنگ ہو اور حصور وہ مرد بھی ہے جو مردی
الذی لا یقرب النساء (فائدۃ	کے باوجود عورت کے پاس نہ پھٹکے، ایک
اجنبیۃ) ذکرھا الصاغانی	غیر متعلق فائدہ، صغانی نے العباب میں
فی العباب قال سألنی والدی	لکھا ہے کہ میرے والد نے اللہ تعالیٰ کی
تغمدہ اللہ تعالیٰ برحمتہ	رحمت ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہے اور اپنی
واسکنہ بحبوحۃ جنتہ	جنت کے وسط میں ان کو جگہ دے، غزنہ
بغزنۃ قبل سنۃ تسعین	میں ۵۹۰ھ سے قبل جب کہ میں نہایت
وخمس مائۃ وانا اذ ذاک	خوشحال زندگی کے دور میں شباب کی

---

[1] ملاحظہ ہو تاج العروس مادہ ص، غ، ن

واوّل لی قولہ ببعض مفارقنا	کا مطلب بتایا، پھر شاعر کے اس قول ببعض
مائتی تاویل فاستغربت	مفارقنا کی دو سو تاویلیں بیان کیں۔ مجھے
ذالک حتی وجدت الکتاب	بڑی حیرت ہوئی کہ کہیں اتنے سے جملہ کی
الذی یبین فیہ ھذہ الوجوہ	دو سو تاویلیں کی جا سکتی ہیں، تا آنکہ مجھے
ببغداد فی حدود سنۃ	۶۴۲ھ میں بغداد میں وہ کتاب مل گئی
اربعین و ستمائۃ والحمد	جس میں اس کے یہ وجوہ مذکور تھے
للہ علی نعمہ[1]	الحمد للہ علی احسانہ

صغانیؒ کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سن شعور کا ہے۔ لہذا سال ولادت ۵۷۷ھ ہرگز صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مولانا سید عبد الحئی لکھنوی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں۔

ولد بمدینۃ لاھور فی خامس	صغانی خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی
عشر من صفر سنۃ سبع و خمسین	کے عہد حکومت میں ۱۵ ر صفر
وخمسمائۃ فی ایام خسرو ملک	۵۵۷ھ کو لاہور میں پیدا
بن خسرو شاہ الغزنوی[2]	ہوئے تھے۔

مولانا عبد الحئی لکھنوی نے ماخذ کا اگرچہ حوالہ نہیں دیا ہے، مگر ہمارا خیال ہے کہ ان کا یہ بیان مشارق الانوار کے اس نسخہ سے منقول ہے جو ۱۳۲۹ھ میں استنبول سے شائع ہوا تھا، اس کے سرورق پر ترکی زبان میں ان کا جو تذکرہ شائع ہوا ہے، اس میں یہی سال ولادت مذکور ہے مگر اس کے بھی اصل ماخذ کا کچھ پتہ نہیں، لہذا اس پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] ملاحظہ ہو العباب بحوالہ تاج العروس مادہ ب۔ی، ص [2] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۳۷

سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس میں شمس الدین الذہبی کے حوالے سے صغانی کا سال ولادت ۵۵۵ھ نقل کیا ہے[1] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سید مرتضیٰ زبیدی کے پیش نظر تاریخ الاسلام کا جو نسخہ تھا اس میں یہی سال ولادت مذکور تھا، سید مرتضیٰ زبیدی نے چونکہ سال ولادت ہندسوں میں نقل کیا ہے، حروف میں ضبط نہیں کیا، اس لیے احتمال ہے کہ اصل میں وہ ۵۷۵ھ ہو جو ادنیٰ تغیر سے ۵۵۵ھ بن گیا ہو، تاج العروس میں اکثر ایسا ہوا ہے، مگر یہاں کچھ قرائن ایسے موجود ہیں جن سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ جو سال ولادت سید مرتضیٰ زبیدی نے نقل کیا ہے، وہی صحیح ہے،

کمال الدین الدمیری المتوفی ۸۰۸ھ حیوٰۃ الحیوان میں لفظ حصور کے تحت العباب سے ناقل ہیں:

الحصور الناقة الضيقة	حصور وہ اونٹنی ہے جس کا احلیل نہایت
الاحليل والحصور من الرجال	تنگ ہو اور حصور وہ مرد بھی ہے جو مردمی
الذي لا يقرب النساء فائدة	کے باوجود عورت کے پاس نہ پھٹکے، ایک
اجنبية ذكرها الصاغاني	غیر متعلق فائدہ، صغانی نے العباب میں
في العباب قال سألني والدي	لکھا ہے کہ میرے والد نے اللہ تعالیٰ کی
تغمده الله تعالى برحمته	رحمت ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہے اور اپنی
واسكنه بحبوحة جنته	جنت کے وسط میں ان کو جگہ دے، غزنہ
بغزنة قبل سنة تسعين	میں ۵۹۰ھ سے قبل جب کہ میں نہایت
وخمس مائة وانا اذ ذاك	خوشحال زندگی کے دور میں شباب کی

[1] ملاحظہ ہو تاج العروس مادہ ص، غ، ن

واوّل لي قوله بعض مفارقنا مائتي تاويل فاستغربت ذالك حتى وجدت الكتاب الذي يبين فيه هذه الوجوه ببغداد في حدود سنة اربعين وستمائة والحمد لله على نعمه[1]

کا مطلب بتایا، پھر شاعر کے اس قول بعض مفارقنا کی دو سو تاویلیں بیان کیں. مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ کہیں اتنے سے جملہ کی دو سو تاویلیں کی جاسکتی ہیں، تاآنکہ مجھے ۶۴۰ھ میں بغداد میں وہ کتاب مل گئی جس میں اس کے یہ وجوہ مذکور تھے الحمد للہ علی احسانہ

صغانیؒ کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سن شعور کا ہے. لہذا سال ولادت ۵۷۷ھ ہرگز صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا.

مولانا سید عبد الحیؒ لکھنوی نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں.

ولد بمدينة لاهور في خامس عشر من صفر سنة سبع وخمسين وخمسمائة في ايام خسرو ملك بن خسرو شاه الغزنوي[2]

صغانی خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی کے عہد حکومت میں ۱۵ صفر ۵۵۷ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے تھے.

مولانا عبد الحیؒ لکھنوی نے ماخذ کا اگرچہ حوالہ نہیں دیا ہے، مگر ہمارا خیال ہو کہ ان کا یہ بیان مشارق الانوار کے اس نسخہ سے منقول ہے جو ۱۳۲۹ھ میں استنبول سے شائع ہوا، اس کے سرورق پر ترکی زبان میں ان کا جو تذکرہ شائع ہوا ہے، اس میں یہی سال ولادت ہے، مگر اس کے بھی اصل ماخذ کا کچھ پتہ نہیں، لہذا اس پر بھی اعتماد نہیں کیا جاسکتا.

---

[1] ملاحظہ ہو العباب بحوالہ تاج العروس مادہ، ب۔ی، ص [2] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۳۷

سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس میں شمس الدین الذہبی کے حوالہ سے صغانی کا سال ولادت ۵۵۵ھ نقل کیا ہے[1] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سید مرتضیٰ زبیدی کے پیش نظر تاریخ الاسلام کا جو نسخہ تھا اس میں یہی سال ولادت مذکور تھا، سید مرتضیٰ زبیدی نے چونکہ سالِ ولادت ہندسوں میں نقل کیا ہے، حروف میں ضبط نہیں کیا، اس لیے احتمال ہے کہ اصل میں وہ ۵۷۵ھ ہو جو ادنیٰ تغیر سے ۵۵۵ھ بن گیا ہو، تاج العروس میں اکثر ایسا ہوا ہے، مگر یہاں کچھ قرائن ایسے موجود ہیں جن سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ جو سال ولادت سید مرتضیٰ زبیدی نے نقل کیا ہے، وہی صحیح ہے،

کمال الدین الدمیری المتوفی ۸۰۸ھ حیوۃ الحیوان میں لفظ حصور کے تحت العباب سے ناقل ہیں:

الحصور الناقة الضيقة	حصور وہ اونٹنی ہے جس کا احلیل بہت
الاحليل والحصور من الرجال	تنگ ہو اور حصور وہ مرد بھی ہے جو مردمی
الذى لا يقرب النساء فائدة	کے باوجود عورت کے پاس نہ پھٹکے، ایک
اجنبية ذكرها الصاغانى	غیر متعلق فائدہ، صغانی نے العباب میں
فى العباب قال سألنى والدى	لکھا ہے کہ میرے والد نے اللہ تعالیٰ کی
تغمده الله تعالىٰ برحمته	رحمت ہمیشہ ان پر سایہ فگن رہے اور انہیں
واسكنه بحبوحة جنته	جنت کے وسط میں ان کو جگہ دے، غزنہ
بغزنة قبل سنة تسعين	میں ۵۹۰ھ سے قبل جب کہ میں نہایت
وخمس مائة وانا اذ ذاك	خوشحال زندگی کے دور میں شباب کی

---

[1] ملاحظہ ہو تاج العروس مادہ ص، غ، ن

اسحب مطارف الشباب في
رغد العيش اللباب وهو يفيدني
غرر الفوائد ويترر قني درر
الفوائد وكان رحمة الله
ريان من الفضائل ظمآنا
عن الرذائل عن معنى قولهم
قد اثر حصير الحصير في حصير
الحصير فالمراد ما قول
فقال الحصير الأول البارية
والثاني السجن والثالث
الجنب والرابع الملك[1]

چادر گھسیٹ رہا تھا، وہ مجھے تابناک فوائد سے
بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ دیتے اور یکتا
موتیوں سے مالا مال فرماتے رہتے تھے،
میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فضائل کا ابر باراں
اور رذائل سے کوسوں دور تھے، مجھ سے
اہل عرب کے اس قول قد اثر حصیر الحصیر
فی حصیر الحصیر کے معنی پوچھے، مجھے اسکے
معنی معلوم نہ تھے، انھوں نے بتایا، پہلا حصیر
بوریہ کے معنی میں ہے، دوسرا بمعنی قید خانہ ہے
اور تیسرے کے معنی پہلو کے ہیں اور چوتھا بادشاہ
کے معنی میں ہے جس کا ترجمہ ہے قید خانہ کے
بوریہ نے بادشاہ کے پہلو میں نشان ڈال دیا۔

موصوف کے اس بیان سے بصراحت معلوم ہوتا ہے کہ ۵۹۰ھ سے قبل تک صغانی کا قیام غزنہ میں رہا ہے اور یہ ان کا دور شباب تھا۔

محمد بن حبیب نے تصریح کی ہے کہ لڑکپن کا زمانہ سترہ برس تک رہتا ہے، پھر شباب کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے، اور بڑھاپے سے پیشتر کا زمانہ شباب ہی کا زمانہ کہلاتا ہے۔[2]

محقق کمال الدین بن ہمام المتوفی ۸۶۱ھ نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ لغت میں ۱۹ برس

---

[1] حیاۃ الحیوان، مصطفی البابی الحلبی مصر ج ۱ ص ۱۹۹ نیز الاعلام الاخیار من فقہاء مذہب النعمان المختار (قلمی) ترجمہ حسن بن محمد الصغانی [2] ملاحظہ ہو تاج العروس (مادہ شبب)

سے ۴۳ برس تک کے جوان کو شباب کہتے ہیں، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تو ۱۵ برس کی عمر سے شباب کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے[1]۔

ابو منصور الثعالبی المتوفی ۴۲۹ھ فقہ اللغۃ میں رقمطراز ہیں:

فاذا اجتمعت لحیتہ وبلغ غایۃ	جب داڑھی بھر آئے اور انسان اپنے
شبابہ فھو مجتمع ثم مادام	شباب کی انتہا کو پہنچ جائے تو اس کو مجتمع
بین الثلاثین والاربعین	کہتے ہیں، پھر ۳۰ سال سے چالیس سال تک
فھو شاب[2]	کی عمر کے انسان کو شاب (جوان) کہتے ہیں۔

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ یہی زمانہ شباب کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی سید مرتضیٰ زبیدی کا بیان کردہ سال ولادت ہی زیادہ معتبر ہے۔

خود صغانی نے العباب الزاخر میں تصریح کی ہے کہ کچھ اوپر چالیس سال تک ہندوستان اور سندھ میں موصوف کا قیام رہا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

انی شرقت وغربت فی الھند	میں ہندوستان اور سندھ کے مشرق و مغرب
والسند نیفا واربعین سنۃ[3]	میں چالیس سال سے اوپر گھوما پھرا ہوں،

اس بیان کے پیش نظر بھی سید مرتضیٰ زبیدی کا قول ہی صحیح قرار پاتا ہے، کیونکہ خود صغانی نے تصریح کی ہے کہ پہلی بار ان کا ورود بغداد میں ۶۱۵ھ میں ہوا ہے، چنانچہ سید مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس میں موصوف سے ناقل ہیں۔

قال الصاغانی قدمت بغداد	صاغانی کا بیان ہے کہ ۶۱۵ھ میں جب بغداد

---

[1] فتح القدیر، طبع امیریہ بولاق ۱۳۱۶ھ ج ۴ ص ۱۱ [2] ملاحظہ ہو فقہ اللغۃ و سر العربیہ، مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۹۵۴ء ص ۹۲ [3] العباب الزاخر بحوالہ تاج العروس (لفظ دَکَنْکَصْ)

سنة ۶۱۵ وهی اول قدمتی	میں آیا اور یہ میری پہلی آمد تھی، تو بعض محدثین
الیها فسألنی بعض المحدثین	نے مجھ سے قراریط کے معنی پوچھے جو حدیث
عن معنی القراریط فی هذا	میں وارد ہے، میں نے کہا اس سے مراد حساب
الحدیث نقلت المراد به	کے قراریط ہیں، اس (سائل) نے کہا
قراریط الحساب فقال سمعنا	ہم نے فلاں حافظ الحدیث کو کہتے ہوئے
الحافظ الفلانی یقول ان	سنا ہے کہ قراریط پہاڑ یا کسی جگہ کا
القراریط اسم جبل او موضع	نام ہے، میں نے اس کا نہایت سختی سے
فانکرت کل الانکار وهو مصر	انکار کیا، مگر اس نے جو کہا تھا اس پر اڑا
علی ما قال کل الاصرار اعاذنا	اصرار کیا، اللہ تعالیٰ ہمیں غلطی اور
الله من الخطاء والخطل و	خطاء، لغزش اور تغییر سے
التصحیف والزلل[1]	بچائے۔

صغانی کا ہندوستان میں چالیس سال سے زیادہ قیام اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب ان کی ولادت ۵۵۵ھ میں صحیح قرار دی جائے،

تیرہویں صدی ہجری کے وسیع النظر عالم اور نامور مورخ اسماعیل پاشا بن محمد امین البغدادی نے ہدیۃ العارفین میں صغانی کا سال ولادت ۵۵۵ھ نقل کیا ہے، اس سے بھی سید مرتضیٰ زبیدی کے قول کی مزید تائید ہوتی ہے۔[2]

صغانی کا مولد | تمام ارباب تذکرہ اور مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صغانی کی ولادت برصغیر پاکستان

[1] العباب الزاخر بحوالۂ تاج العروس (مادہ قرط) [2] ملاحظہ ہو ہدیۃ العارفین اسماء المؤلفین و آثار المصنفین، طبع استنبول ۱۹۵۱ء ج ۱ کالم ۲۸۱

کے مشہور شہر لاہور میں ہوئی، چنانچہ موصوف کے بیک واسطہ شاگرد شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تاریخ الاسلام میں رقمطراز ہیں:

الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی العلامۃ رضی الدین ابو الفضائل القرشی العدوی العمری الصغانی الاصل الہندی اللهوری المولد[1]

علامہ رضی الدین، ابو الفضائل حسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی القرشی العدوی العمری صغانی الاصل اور ہندی اور لاہوری المولد ہیں،

عبد القادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ الجواہر المضیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

اللهوری بفتح اللام وسکون الواوین بینهما هاء مفتوحة وآخرها راء ونسبة الی لوهر مدینة کبیرة من بلاد الهند وکثیرة الخیر ویقال لهاوور بهاولد[2]

لوہوری میں لام مفتوح اور ہر دو واؤ ساکن ہیں اور ان کے درمیان ہا، مفتوحہ اور اس کے آخر میں را ہے اور یہ لوہر کی طرف نسبت ہے جو ہندوستان (پاکستان) کے بڑے شہروں میں سے ہے۔

اس سے بھی واضح طور پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ صغانی کا مقام پیدائش پاکستان کا مشہور شہر لاہور ہے۔

مورخ کفوی الاعلام الاخیار میں لکھتے ہیں:

کان فی اصله لاهور یا دهی

آپ کی اصل جائے پیدائش لاہور ہے اور

۱؎ ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام ترجمہ حسن بن محمد الصغانی ۲؎ ملاحظہ ہو الجواہر المضیہ ج ۱ ص ۲۰۱

عربی	ترجمہ
بلدة من بلاد الهند ولد بها[1]	یہ ہندوستان (پاکستان) کے شہروں میں سے ایک شہر ہے

سید مرتضیٰ زبیدی، اصلاً ہندوستانی تھے، بلگرام موصوف کا مرز بوم تھا، نہایت بلند پایہ محدث، لغوی، فقیہ اور مورخ تھے، امام صغانی کی کتابوں پر نظر تھی، ان کی لکھی ہوئی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ رہ چکی تھیں، موصوف لفظ لہبر ۃ پر استدراک کے تحت تاج العروس میں لکھتے ہیں

عربی	ترجمہ
لَهْوَرَ لجعفر ويقال لَاهَوْر	لہور، جعفر کے وزن پر ہے اور اس کو
كساجور ويقال ايضاً لَهَاوُر	ساجور کے وزن پر لاہور بھی بولتے ہیں نیز
مدينة عظيمة بالهند بها ولد	لہاور بھی بولا جاتا ہے، یہ ہندوستان (پاکستان)
الصاغاني صاحب العباب و	کا عظیم الشان شہر ہے، یہیں صغانی صاحب العباب
اليها ينسب جماعة من المحدثين[2]	پیدا ہوئے تھے اور اسی خاک سے محدثین کی ۳

(ترجمہ تاج العروس ج ۳)

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں:

عربی	ترجمہ
مسقط راسه لاهور جاء واحد	علامہ صغانی کا مسقط الراس لاہور ہے، ان کے
من اسلافه من صغان اليها	اسلاف میں سے کوئی صغان (صغانیاں) سے
وتوطن بها ولهذا يقال له	یہاں آیا تھا اور لاہور کو وطن بنا لیا تھا، اسی لیے
الصغاني[3]	ان کو صغانی کہتے ہیں۔

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ صغانی کا خاندان صغان (صغانیاں) کا تھا جو لاہور چلا آیا تھا، اس طرح سے حسن صغانی بھی تھے اور لاہوری بھی۔

صغانی کی کتاب الاضداد کا مخطوطہ پیر جھنڈو کے کتب خانہ میں ہماری نظر سے گذرا ہے۔ اس کے سرورق پر صغانی کا جو تذکرہ منقول ہے، اس میں بھی آپ کا مولد لاہور ہی مذکور ہے، وھو ہذا

---

[1] الاعلام الاخیار بحوالہ سبحۃ المرجان طبع بمبئی ۱۳۰۲ھ ص ۲۸ [2] تاج العروس لفظ لہبرۃ [3] ملاحظہ ہو سبحۃ المرجان ص ۲۸

الصغانی المحتد اللاھوری	علامہ حسن صغانی الاصل اور لاہوری المولد
المولد البغدادی الوفاۃ المکی	تھے، بغداد میں وفات پائی، مکہ میں دفن ہوئے
الملحد[1] الحنفی المذھب رحمۃ	مسلک کے اعتبار سے حنفی تھے، اللہ تعالیٰ
اللہ تعالیٰ..... مولد مولف	اپنی جوار رحمت میں جگہ دے، آمین .....
ھذا الکتاب یعنی الصغانی	اس کتاب (الاضداد) کے مولف کا مقام
بلاھور من بلاد الھند	پیدائش لاہور ہے جو ہندوستان (پاکستان) کے
	مشہور شہروں میں ہے۔

سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ کراچی میں صغانی کی کتاب مجمع البحرین کا جو زوٹو گراف ہے، اس کے سرورق پر صغانی کا مختصر تذکرہ بھی منقول ہے، اس میں بھی صغانی کا مولد لاہور ہی مذکور ہے۔

متاخرین اہل لغت میں سے نامور لغوی علامہ احمد آفندی نے الجاسوس علی القاموس میں بصراحت لکھا ہے کہ میں نے العباب کے نسخہ میں جو امام صغانی کی آخری تالیف ہے، دیکھا ہے، اس میں خود صغانی نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ وہ لاہور میں پیدا ہوئے تھے، علامۂ موصوف کے الفاظ یہ ہیں

قرأت فی نسخۃ من العباب	میں نے العباب کے نسخہ میں پڑھا ہے کہ مولف لوھور
انہ ولد فی لوھور (کذا ی) احدی	(اسی طرح لکھا ہوا ہے) میں پیدا ہوئے تھے، جو
مدن الھند الکثیرۃ الخیرات	ہندوستان (پاکستان) کے شہروں میں ایک نہایت
ویقال ایضاً لھاور[2]	عمدہ اور آباد شہر ہے اس کو لھاور بھی کہتے ہیں۔

---

[1] فی الاصل الملحد [2] ملاحظہ ہو الجاسوس علی القاموس، مطبعۃ الجوائب قسطنطنیہ ۱۲۹۹ھ ص ۲۴۴

اس لیے اس امر میں کوئی شبہہ نہیں رہتا کہ امام حسن صغانی کے مولد ہونے کا فخر پاکستان کے نہایت مشہور شہر لاہور ہی کو حاصل ہے۔

فوائد الفواد میں خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی صاحب مشارق الانوار کے متعلق ایک فقرہ "او از بداؤن بود"[۱] منقول ہے، جب یہ کتاب طبع ہو کر منظر عام پر آئی تو متاخرین تذکرہ نگاروں میں غالباً سب سے پہلے یہ فقرہ مولانا سید عبد الحئی لکھنوی صاحب نزہۃ الخواطر کی نظر سے گذرا، انھیں شبہہ ہوا، چنانچہ حضرت محبوب الٰہی رحمہ کی شہادت اور امیر حسن کی روایت کے باوجود انھوں نے رضی الدین حسن صغانی کو بدایونی ہرگز تسلیم نہیں کیا، بلکہ انھیں لاہوری قرار دیا اور ان کا تذکرہ ان ہی اوصاف کے ساتھ جو متقدمین سے منقول تھا، نزہۃ الخواطر میں قلم بند کیا، اور حضرت نظام الدین رحمہ کے بیان کے پیش نظر محض احتراماً رضی الدین بدایونی کے نام سے ایک اور جداگانہ شخصیت کا تذکرہ بھی کر دیا اور اس تذکرہ میں صرف ان ہی باتوں کو نقل کیا جو حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ سے فوائد الفواد میں منقول ہیں، یہی وجہ ہے کہ ماخذ میں صرف فوائد الفواد ہی کا نام لیا ہے۔

مولانا عبد الحئی لکھنوی کے شبہہ کی وجہ غالباً یہ ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے پورے بیان میں حسن کا لفظ نہیں ہے، نیز جو معلومات اس کتاب میں ملتی ہیں وہ کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی ہیں، جن سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رضی الدین بدایونی کوئی اور نامور شخصیت ہیں، پھر ہندوستان میں چونکہ مفرد نام کم پائے جاتے ہیں، اس لیے بہت ممکن ہے کہ رضی الدین نام کے یہ بزرگ بدایونی ہوں، یہی وجہ ہے کہ مولانا عبد الحئی لکھنوی نے رضی الدین حسن صغانی کو علم کے تحت حسن کے اندر اور رضی الدین بدایونی کو رضی الدین میں علم کی حیثیت سے

---

[۱] ملاحظہ ہو فوائد الفواد مطبع نولکشور لکھنؤ طبع سوم ۱۳۱۲ھ ص ۱۰۳

ذکر کیا ہے جس سے ہمارے مذکورۂ بالا خیال کی مزید تائید ہوتی ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک نام کے بیک وقت کئی صاحب کمال ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں لیکن دو ہمعصر مصنف ایک ہی موضوع پر کتابیں لکھیں اور نام بھی ایک ہی رکھیں ایسا نہیں ہوا ہے۔ نیز یہاں داخلی شہادتیں اس کے قطعاً منافی ہیں کہ رضی الدین کے نام سے ایک جداگانہ شخصیت کا تذکرہ کیا جائے۔

حضرت نظام الدین اولیا نے حسن رضی الدین صغانی صاحب مشارق انوار کا تذکرہ کیا ہے، وہ بلاشبہ یہی رضی الدین حسن صغانی ہیں جن کو صاحب نزہتہ الخواطر نے لاہوری قرار دیا ہے کیونکہ انھوں نے ان کے جو فضائل و مناقب بیان کیے ہیں ان کے یہی حامل تھے، یہ ارشادات حضرت نظام الدین اولیا کی زبان سے سننے کے لائق ہیں۔ امیر حسن حضرت محبوب الٰہی سے ناقل ہیں:

> بعد از آں نسبت حدیث سخن در فضیلت مولانا رضی الدین صغانی صاحب مشارق الانوار افتاد رحمۃ اللہ علیہ وانچہ نوشتہ است کہ ایں کتاب حجت است میان من و خدائے [1]

اس حقیقت کا انکشاف خود صغانی نے مشارق الانوار کے مقدمہ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ھذا الکتاب حجۃ بینی وبین اللہ تعالیٰ فی الصحۃ والرصانۃ والاتقان والمتانۃ [2]	یہ کتاب صحت و ثبوت، اتقان و متانت میں میرے اور خدا کے درمیان حجت ہے۔

حضرت محبوب الٰہی پھر فرماتے ہیں،

> اگر حدیثے برادشکل شدے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام را در خواب دیدے و صحیح کردے

---

[1] ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۰۳ [2] مشارق الانوار مطبع رشادیہ استنبول ۱۳۲۹ھ ص ۴

اس وصف میں بھی حسن صغانی لاہوری منفرد ہیں، مشارق الانوار میں حدیث ذیل پر لکھتے ہیں:

عن ابن عمر (رضی اللہ عنہما) ان الفتنة ھھنا من حیث یطلع قرن الشیطان قال الصغانی مولف ھذا الکتاب سمعته من النبی صلی اللہ علیه وسلم قاله وھو یشیر الی المشرق[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتنہ و فساد ادھر سے جہاں سے شیطان کا سینگ یعنی آفتاب نکلتا ہے، اس کتاب کا مؤلف صغانی کہتا ہے کہ میں نے خواب میں یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور آپ پورب کی طرف

ایک اور حدیث پر تحریر فرماتے ہیں

عائشة (رضی اللہ عنہا) اذا وضع العشاء واقیمت الصلاة فابدأوا بالعشاء قال الصغانی مولف ھذا الکتاب جعله اللہ ممن احیی سنن رسوله وکان ذات اکبر سؤله کنت اتمنی مدة ان اری النبی صلی اللہ علیه وسلم فی المنام واسئله عن صحة حدیث ما یخبرنی به لاکون راویا عنه صلی اللہ علیه وسلم باعلی سند یمکن

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر رات کا کھانا سامنے رکھا جائے اور عشا کی نماز کی تیاری ہو تو تم پہلے کھانا کھاؤ، اس کتاب کا مولف صغانی کہتا ہے (اللہ تعالیٰ اس کو اپنے رسول کی سنتوں کے زندہ کرنے والوں میں کردے اور یہ اسکی سب سے بڑی درخواستوں میں سے ہے) مجھے مدت سے آرزو تھی کہ میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھوں اور کسی حدیث کی صحت کی تحقیق آپ سے کروں تاکہ مجھے اعلیٰ رتبے کی سند

---

[1] مشارق الانوار مطبوعہ رشادیہ استنبول ص ۲۱

ومضٰى على ذلك سنون حتى
اذا كانت ليلة السبت الثامنة عشر
من ذى القعدة سنة احدى
عشرة وستمائة عند السحر
رأيت كانى على سطح وقد شرعت
فى صلوٰة المغرب والنبى صلى الله
عليه وسلم قاعد يتعشى ومعه
نفر فدعانى الى العشاء
فاردت ان اتم الصلوٰة
ثم اجيبه فذكرت قوله
لابى سعيد بن المعلى وقد
ناداه النبى صلى الله عليه وسلم
وهو فى الصلوٰة فلم يجبه
حتى فرغ الم يقل الله استجيبوا
لله وللرسول اذا دعاكم
فذهبت اليه وقعدت
عنده فقلت يا رسول الله
اصحيح اذا وضع العشاء واقيمت
الصلوٰة فابدأوا بالعشاء

حاصل ہو، اس آرزو میں کئی برس گذر گئے
آخر ہفتہ کی شب کو ذی قعدہ کی ۱۸ تاریخ ۶۱۱ھ
میں فجر کے قریب میں نے خواب دیکھا کہ میں نے
چھت پر مغرب کی نماز شروع کی اور رسالتمآب
صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے رات کا کھانا
تناول فرما رہے تھے اور آپ کے ساتھ اور
بھی چند صحابہ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے مجھے کھانے کے واسطے بلایا، میں نے چاہا کہ
نماز پوری کرکے جواب دوں، اتنے میں مجھے
حضرت ابوسعید بن معلی کی وہ بات یاد آئی
کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آواز دی
تھی اور وہ نماز میں تھے، انھوں نے بغیر نماز
پڑھے جواب نہیں دیا، حضور نے فرمایا، کیا خدا
نے نہیں کہا ہے استجیبوا للہ وللرسول
اذا دعاکم (حکم مانو اللہ اور رسول کا جب وہ
بلائے تم کو $\frac{9}{17}$) اس لیے میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ
کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ جب رات کا کھانا سامنے
رکھا جائے اور نماز کی اقامت ہو تو پہلے کھانا

قال نعم[1]

شروع کر دی حضورؐ نے فرمایا ہاں یہ حدیث صحیح ہے۔

ایک اور حدیث کی نسبت رقمطراز ہیں

ابو عبیدة بن الجراح (رضی اللہ عنہ)
ھو رزق اخرجه الله لکم فهل
معکم من لحمه شئ تطعمونا
قال ابو عبیدة فارسلنا الی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
منه فاکل قاله فی حوت میت
رماه البحر قال الصغانی مؤلف
ھذا الکتاب حقق اللہ بسطانه
آماله وصدق ببرهانه اقواله
اخذت مضجعی لیلة الاحد
الحادیة عشرة من شهر
ربیع الاول سنة اثنتین
وعشرین وستمائة وقلت
اللهم ارنی اللیلة نبیك
محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فی
المنام فانك تعلم اشتیاقی

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
سے روایت ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا وہ
(مردہ مچھلی) روزی ہے جو خدا نے تمھارے
واسطے نکالی ہے کیا تمھارے پاس اس کے
گوشت کا کچھ حصہ باقی ہے (اگر ہے) تو
ہمیں کھلاؤ، اس ارشاد پر ہم نے اس کا
کچھ حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
بھیجا، آپ نے تناول فرمایا، اور یہ مردہ مچھلی کے
بارے میں فرمایا ہے جس کو سمندر نے باہر
خشکی میں ڈال دیا ہو، اس کتاب کا مولف صغانی
کہتا ہے خدا اسکی امیدیں اپنی قدرت سے
بر لائے اور اپنی حجت اور دلیل سے اسکے
اقوال کو سچا کرے، کہ میں ۱۱ ربیع الاول ۶۲۲ھ
میں اتوار کی رات کو اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا،
میں نے دعا کی بار الہا! آج رات خواب میں مجھے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرما

[1] مشارق الانوار طبع استنبول ص ۵،

اليه فرأيت بعد هجعة من
الليل كأني والنبي صلى الله
عليه وسلم في مشربة ونفر من
اصحابي اسفل منا عند درج
المشربة فقلت يا رسول الله
ما تقول في حوت ميت رماه
البحر احلال هو فقال وهو
يتبسم الي نعم فقلت وانا
اشير الى من باسفل الدرج
فقل لاصحابي فانهم لا يصدقوني
فقال لقد شتمتني وعابوني
فقلت كيف يا رسول الله
فقال كلاما ليس يحضرني
لفظه وانما معناه عرضت
قولي على من لا يقبله ثم اقبل
عليهم يلومهم ويعظهم فقلت
صبيحة تلك الليلة وانا
اعوذ بالله من ان اعرض
حديثه بعد ليلتي هذه

میرے اشتیاق سے آپ باخبر ہیں، رات کو
آنکھ لگنے کے بعد میں نے دیکھا کہ میں اور
رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم ایک بالاخانہ پر
ہیں اور چند میرے ساتھی نیچے بالاخانے کی
سیڑھی کے پاس ہیں، میں نے عرض کیا۔
یا رسول اللہ! اس مردہ مچھلی کے بارے میں
کیا ارشاد ہے جسے سمندر نے باہر ڈال دیا ہو
آیا وہ حلال ہے؟ حضورؐ نے مسکراتے ہوئے
فرمایا ہاں حلال ہے، میں نے عرض کیا جو لوگ
سیڑھی کے نیچے ہیں، انکی طرف اشارہ کیا
کہ میرے ان ساتھیوں سے بھی فرما دیجئے،
یہ لوگ میری اس بات کو سچا نہیں سمجھتے ہیں،
حضورؐ نے فرمایا تم نے مجھے گالی دی اور
ان لوگوں نے مجھے عیب لگایا، میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسے؟ آپ نے کچھ
فرمایا، وہ الفاظ یاد نہیں رہے، مگر اسکا
مطلب یہی تھا کہ تم نے میری حدیث ان
لوگوں سے بیان کی جو اس کو قبول نہیں
کرتے یعنی نااہلوں کے سامنے حدیث بیان کرنا

الا على الذين يحكمون فيما شجر بينهم ثم لا يجدون فى انفسهم حرجا مما قضى و يسلمون تسليما وصلى على رسوله وانبيائه واسلم تسليما[1]

کمال بے ادبی ہے، پھر حضورؐ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں ملامت اور نصیحت کرنے لگے، میں نے اسی رات کی فجر کو کہا کہ میں اب ایسی بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور اس شب کے بعد سے میں حضورؐ کی حدیث ان ہی لوگوں سے بیان کرونگا جو اپنے اختلافات میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مانتے ہیں اور وہ حضورؐ کے فیصلے سے تنگ دل نہیں ہوتے اور اپنے تمام معاملات حضورؐ ہی کو سونپتے ہیں۔

اسی قسم کا ایک واقعہ مکہ معظمہ کے کنویں ادام کے متعلق سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج میں العباب سے نقل کیا ہے۔

ادام اسم بئر على مرحلة من مكة حرسها الله تعالى على طريق السرين كما فى العباب قال الصاغانى رأيت النبى صلى الله عليه وسلم وهو يقول ادام من مكة[2]

ادام براہ سرین مکہ سے ایک منزل کی مسافت پر ایک کنویں کا نام ہے جیسا کہ العباب میں مذکور ہے، صغانی کا بیان ہے میں نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ فرما رہے تھے ادام مکہ کے حدود میں داخل ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو مشارق الانوار ص ۱۴۲ [2] ملاحظہ ہو تاج العروس (مادۂ ادم)

یہ ایسے بیّن دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رضی الدین صغانی جن کو بدایونی قرار دیا گیا ہو در اصل یہی رضی الدین حسن صغانی لاہوری ہیں ،

حسن صغانی لاہوری ، ہندوستان اور پاکستان میں علم کی نسبت . لقب سے زیادہ مشہور رہے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تالیفات میں حسن صغانی کے بجائے رضی الدین صغانی کے نام سے یاد کیے جاتے تھے ، لہذا رضی الدین کو علم کی حیثیت دے کر بدایونی کہنا صحیح نہیں ، چنانچہ "سرور الصدور" میں جو فوائد الفواد کے زمانہ کی تالیفات میں ہے شیخ فرید الدین ناگوری نے حسن صغانی کا جہاں بھی ذکر کیا ہے ، ان کے لقب رضی الدین ہی سے انھیں یاد کیا ہے ، چنانچہ لکھتے ہیں

ہم دریں ذکر مولانا رضی الدین صغانی افتاد[1]

آگے فرماتے ہیں :

ایں صحاح لغت را مولانا رضی الدین صغانی نبشتہ جلد کردہ بود[2]

مشارق الانوار کی نسبت نے تو صغانی کو لقب تک سے مستغنی کر دیا تھا یہی وجہ ہے کہ شیخ کمال الدین نے مشارق الانوار کی جو سند خواجہ نظام الدین اولیاء کو دی تھی ، اس میں لقب تک کا ذکر ضروری خیال نہیں کیا ، بلکہ صرف اتنا ہی لکھنا کافی سمجھا ،

وھما یرویانہ عن مولفہ[3] اور مذکورہ بالا ہر دو شیخ اس کتاب (مشارق الانوار) کو اسکے مولف سے روایت کرتے ہیں -

---

[1] ملاحظہ ہو سرور الصدور و نور البدور میں ملفوظات حمید الدین المبرور قلمی ورق ۱۴۱ ، سرور الصدور کا یہ مخطوطہ کراچی کے ایک مقامی تاجر کتب عباسی کے یہاں آیا ہوا تھا ، یہاں کی علمی کس و بازاری کا یہ عالم ہے کہ نسخہ عرصہ تک اسکے یہاں پڑا رہا ، ان ہی دنوں یہ نسخہ ہمارے مطالعہ میں آیا تھا ، آخر میں میں نے یہ نسخہ ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کو کوڑیوں کے مول دلوایا جو آج بھی وہاں محفوظ ہے ، یہ حوالے اسی نسخہ کے ہیں [2] ایضاً کتاب مذکور ورق ۲۸۲ [3] ملاحظہ ہو سیر الاولیاء از محمد مبارک العلوی مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۲ھ ص ۱۰۴

اب بات صاف ہو جاتی ہے کہ رضی الدین صغانی سے مراد رضی الدین حسن صغانی لاہوری ہیں، مگر یہ اشکال باقی رہتا ہے کہ جب رضی الدین صغانی سے وہی رضی الدین حسن صغانی لاہوری مراد ہیں، تو پھر خواجہ نظام الدین اولیاء نے انھیں بدایونی کیونکر کہا، اس سلسلہ میں زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہاں تصحیف ہوگئی ہے، فوائد الفواد کے اصل نسخہ میں غالباً "اواز لاہور بود" تھا جس کو ناقل نے خط شکستہ میں ہونے کے باعث" اواز بداؤن بود" پڑھا، اور چونکہ خود نظام الدین اولیاء کا وطن بھی بداؤن تھا، اس کو بداؤن سمجھنے میں کوئی تردد بھی نہ ہوا، خط شکستہ میں لاہور کو بداؤن یا بدایون سے ایک گونہ تجنیس خطی کی وجہ سے ان میں تصحیف ہوجانا چنداں مستبعد نہیں، کیونکہ لا کی بد سے اور ہو کی او سے اور ر کی ن سے مشابہت خط شکستہ میں ایسی قوی اور اتنی قریب ہے کہ اس تصحیف کے قبول کرنے میں انکار کی گنجایش باقی نہیں رہتی جن لوگوں کی نظر سے مخطوطات کا ذخیرہ گذرا ہے وہ ہماری اس رائے کی تائید کرینگے۔

یہ ایسی قابل قبول توجیہ ہے کہ اس پر حضرت نظام الدین اولیاء کی شہادت بھی غلط قرار نہیں پاتی اور امیر حسن پر بھی خلط ملط اور سہو کا الزام عائد نہیں ہوتا، امیر حسن پر خلط ملط سہو کا الزام کسی طرح درست نہیں، کیونکہ یہ کتاب ایک زمانہ تک صوفیاء کی دستور العمل رہ چکی ہے، شیخ عبد الحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں،

"میر حسن را کتابے ست مسمی بفوائد الفواد در آنجا ملفوظات شیخ را جمع کردہ در نہایت متانت الفاظ و لطافت معانی آں کتاب در میان خلفا و مریدان شیخ نظام الدین دستور است، گویند میر خسرو گفتہ کاشکے تمام تصانیف من بنام حسن بودے وایں کتاب از من بودے[1]"،

تصریحات بالا کے بعد ان لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو جاتی ہے جو مورخین کے تمام بیانات

---

[1] ملاحظہ ہو اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۳۲ھ ص ۱۰۱

نظرانداز کرکے صرف اس جملہ "او از بداؤں بود" سے حسن صغانی کے بدایونی قرار دینے پر زور قلم صرف کرتے رہے ہیں، جن میں جناب خلیق احمد نظامی بہت نمایاں ہیں، چنانچہ حیات شیخ عبدالحق میں لکھتے ہیں:

مولانا رضی الدین حسن صغانی صاحب مشارق الانوار کے متعلق نظام الدین اولیا کا بیان ہے:

"او از بداؤن بود۔"

فوائد الفواد ص ۷۰۔ الشیخ نظام الدین کا بیان ان وجوہات کی بنا پر ان سب لوگوں سے زیادہ قابل اعتبار ہے جنھوں نے ان کا وطن لاہور بتایا ہے۔ (۱) شیخ نظام الدین اولیا خود بدایون کے تھے اور بدایوں کے متعلق اچھی معلومات رکھتے تھے (۲) ان کے استاد مولانا کمال الدین زاہد مولانا برہان الدین بلخی تلمیذ شیخ رضی الدین حسن صغانی تھے، اس بنا پر استاذ الاستاذ کے متعلق ان کا بیان زیادہ معتبر ہے۔[۱]

موصوف نے اسی تحقیق کو "تاریخ مشائخ چشت" میں پھر دہرایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

حضرت رضی الدین حسن صاحب مشارق الانوار جن کا نام ہندوستان کے علماے حدیث میں سرفہرست آتا ہے، محمد غوری کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہونے سے تقریباً دس سال قبل بدایون میں پیدا ہوئے تھے۔ وہیں انھوں نے دینی تعلیم حاصل کی اور وہیں اپنا ابتدائی زمانہ گذارا[۲]۔ جب بدایون سے یہ عظیم المرتبت فرزند بغداد پہنچا تو بڑے بڑے عالموں کی گردنیں اسکے سامنے جھک گئیں۔[۳]

---

[۱] حسن صغانی کو بدایونی قرار دینے کے متعلق جو شبہے جناب خلیق احمد نظامی کو پیش آئے ہیں اس سے ہماری اس خیال کی مزید تائید ہوتی ہے کہ لاہور کو بداؤن سمجھنے میں کاتب کو بھی یہی شبہے ہوئے ہونگے اور بہت ممکن ہے کہ وہ بھی بدایوں کا ہو [۲] ملاحظہ ہو حیات شیخ عبدالحق، شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۳۷۳ھ ص ۱۲ [۳] رضی الدین حسن صغانی کے متعلق یہ تحقیقات کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری ہیں جس میں صغانی نے کہاں کہاں پڑھا اور کن کن اساتذہ سے پڑھا۔ انشاء اللہ تعلیم وتربیت کے عنوان میں آئے گا [۴] ملاحظہ ہو تاریخ مشائخ چشت شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳ء ص ۱۴۳

جناب خلیق احمد نظامی نے خواجہ نظام الدین اولیاء کے مذکورہ بالا جملہ پر توجیہات قائم کی ہیں وہ زیادہ تر مضمون کی سجاوٹ کی خاطر ہیں، تاریخی عنصر ان میں بہت ہی کم ہے،

خواجہ نظام الدین اولیاء بلا شبہہ بدایوں میں پیدا ہوئے تھے اور بارہ برس تک بدایوں میں رہے، مگر بدایوں سے پھر زیادہ وابستگی نہیں رہی، بدایوں کے متعلق معلومات فراہم کرنا ان کے موضوع اور مسلک سے خارج تھا، نیز یہ حقیقت ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ فوائد الفواد تذکرہ یا تاریخ کی کتاب نہیں ہے، پھر خواجہ نظام الدین اولیاء صنعانی کے بدو واسطہ شاگرد ہیں شمس الدین الذہبی مشہور مورخ اور حافظ الحدیث دمیاطی کے شاگرد ہیں اور وہ صنعانی کی جملہ مرویات اور مصنفات کے نہایت ثقہ اور نامور راوی ہیں، خود شمس الدین الذہبی عالم اسلام کے فن رجال اور تاریخ کے نادرۂ روزگار، ناقد اور وسیع النظر عالم تھے، ان کا بیان ہر لحاظ سے قابل ترجیح تھا اور ہے۔

جناب خلیق احمد نظامی سے زیادہ تعجب مولوی ضیاء احمد بدایونی پر ہے جنھوں نے وطنیت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر ذو القرنین کے بدایوں نمبر میں حضرت نظام الدین اولیاء کے اس مختصر سے جملہ پر چھ سات صفحے کا ایک مستقل مضمون لکھ ڈالا اور رضی الدین حسن صنعانی کو بدایونی قرار دیکر ہمیشہ کے لیے اس بحث کا دروازہ ہی بند کر دیا اور یہاں تک لکھ دیا ہے،

حضرت محبوب الٰہی کی شہادت اور امیر حسن کی روایت کے بعد علامہ کی وطنیت میں شک اور ان کے بدایونی ہونے میں تامل کرنا ایک ایسا وہم ہے جس کی دوا لقمان کے پاس بھی نہیں ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی ست"[1]

اسی طرح تذکرۃ الواصلین میں رضی الدین صدیقی فرشوری کا بیان تاریخی حقایق سے یکسر خالی ہے[2]۔ اسی لیے ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔ (باقی)

---

[1] ملاحظہ ہو ذو القرنین کا بدایوں نمبر اپریل ۱۹۵۷ء [2] تذکرۃ الواصلین، نظامی پریس بدایوں ج ، ص ۹۶ تا ۱۰۰

امام لغت حسن بن محمد الصغانی اللاہوری

از مولانا عبد الحلیم چشتی فاضل دیوبند

(۲)

تعلیم و تربیت | جیسا کہ اوپر گذر چکا، صغانیؒ کی ولادت لاہور میں ہوئی ہے، لیکن تعلیم و تربیت غزنہ میں پائی ہو تعلیم کیسے حاصل کی، تربیت کس طرح ہوئی، کن کن اساتذہ سے پڑھا اور کیا کچھ پڑھا، اس قسم کی معلومات سے تمام تذکرے یکسر خالی ہیں، اور امام حسن صغانی کے بچپن کے حالات اور تعلیم و تربیت کے واقعات پر پردہ پڑا ہوا ہے، یہ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں باقاعدہ مدارس بہت کم تھے، مگر خانگی درسگاہیں نہایت کثرت سے تھیں، بڑے بڑے نامور علما اور ائمۂ فن اپنے گھروں پر یا مساجد میں درس دیتے تھے، صغانی نے بھی اسی طرح گھر پر رہ کر پڑھا اور اپنے والد سے تعلیم حاصل کرکے جملہ فنون میں دستگاہ کامل حاصل کی[۱]، مورخ کفوی المتوفی سنہ ۹۹۰ھ اعلام الاخیار میں رقمطراز ہیں:

نشاء بغزنة واشتغل بها فی	صغانی نے غزنہ میں نشو و نما پائی، وہیں علوم
العلوم واخذ عن والده	کی تحصیل کی اور علوم دینیہ اپنے والد سے پڑھکر
وحصل ووصل وکمل[۲]	نہایت اعلیٰ استعداد پیدا کی اور ہر فن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

---

[۱] دنیائے علم کا یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہو کہ لغت کے سب سے بڑے امام ابن سیدہ نے بھی ابتدا میں اپنے باپ کی آغوش میں تعلیم و تربیت پائی تھی اور صغانیؒ نے بھی اپنے والد بزرگوار ہی سے کسب کمال کیا [۲] ملاحظہ ہو الاعلام الاخیار تذکرۂ حسن بن محمد الصغانی، اس کا قلمی نسخہ ٹونک کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

کفوی کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ صغانی نے جملہ فنون کی تکمیل اپنے والد محمد سے کی تھی، شیخ محمد کے تذکرے سے تاریخ و سیر کی کتابیں یکسر خالی ہیں لیکن واقعات اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے فاضل اور جید عالم تھے، خصوصاً ادب و لغت میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا، انھوں نے ایسے ایسے ائمۂ فن سے تعلیم پائی تھی جن کی نظیر دور دور نہ تھی، جب وہ اپنی تعلیم کا ذکر کرتے تھے تو صغانی جیسا ذہین و فطین بھی حیران و ششدر رہ جاتا تھا، ہم ایک واقعہ مشتے از گلزارے کے طور پر خود صغانی کی زبانی نقل کرتے ہیں، جس سے موصوف کے والد محمد کی جلالت علمی کا اندازہ ہو سکے گا، صغانی العباب الزاخر میں لکھتے ہیں،

سمعت والدی المرحوم بغزنة فی شهور	تقریباً ۵۸۰ھ میں میں نے غزنہ میں اپنے والد مرحوم
سنة نیف وثمانین وخمسمائة، یقول	سے سنا تھا، وہ فرماتے تھے کہ میں غزنہ میں اپنے استاد
کنت اقرأ کتاب الحماسة لابی تمام علی	سے ابو تمام کا حماسہ پڑھتا تھا، استاد نے مجھ حسب
شیخی بغزنة فنسر لی هذا البیت	ذیل شعر کے معنی سمجھائے۔
بیض مفارقنا تغلی مراجلنا	ہمارے سروں کے بال سفید ہو گئے اور ہماری دیگیں جوش مار رہی ہیں۔
نأسوا باموالنا آثار ایدینا	ہم تمہارے ہاتھوں سے پہنچے ہوئے زخموں کا علاج اپنے اموال
واوّل لی قوله بیض مفارقنا	سے کرتے ہیں یعنی دیت ادا کرتے ہیں قصاص میں خود قتل نہیں کرتے،
مائتی تاویل فاستغربت ذلك	اور شاعر کے قول "مفارقنا" کی دو سو تاویلیں بیان کیں،
حتی وجدت الکتاب الذی بین	صغانی کا بیان ہے کہ مجھے اس پر بڑا تعجب ہوتا تا آنکہ ۶۴۰ھ
فیه هذه الوجوه ببغداد فی حدود	میں بغداد میں وہ کتاب مجھکو مل گئی جس میں اسکی دو سو
وسنة اربعین وستمائة الحمد لله علی نعمه[1]	تاویلیں مذکور تھیں، الحمد للہ علی ذالک،

[1] العباب الزاخر مادہ بیض بحوالہ تاج العروس،

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صغانی کی تربیت کیسے فاضل روزگار باپ کے زیر سایہ ہوئی تھی۔

صغانی کی تحصیل علوم کا بیشتر زمانہ غزنہ میں گذرا، اسی لیے تذکرہ نگاروں نے ان کے متعلق منشأ بغزنۃ کے الفاظ لکھے ہیں، بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ طالبعلمی کے زمانہ میں والد کے ساتھ لاہور میں بھی ان کی آمد ورفت بکثرت رہی ہو اور یہاں کے قیام کی مجموعی مدت غالباً پانچ برس سے کم نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے مولد کے ساتھ منشاء بھی لاہور کو قرار دیا ہے، مولوی رحمان علی "تذکرۂ علماء ہند" میں لکھتے ہیں،

در لاہور متولد شدہ ونشوونما یافت[1]

صغانی نے ابتداء میں بلاشبہ سب کچھ اپنے والد محمد سے پڑھا تھا، البتہ حدیث بعض اساتذہ سے لاہور میں بھی پڑھی ہے، چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں،

مگر در انچہ بداؤن (بلاہور) بودہ انجا او را استادے بودہ، است مردے بزرگ وصاحب ولایت بود[2]

تحصیل علوم کے بعد سنہ ۵۹۰ھ سے پیشتر صغانی کا تمام تر زمانہ اپنے والد کے ساتھ غزنہ میں گذرا، ان کی تربیت نے صغانی میں لغت اور ادب کے مذاق کو ابھارا اور علمی استعداد کو پختہ کیا، وہ وقتاً فوقتاً ان سے کوئی علمی مسئلہ یا ادبی نکتہ دریافت فرماتے، اگر انھیں معلوم نہ ہوتا

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرۂ علماء ہند، طبع نولکشور لکھنؤ بار دوم ۱۹۱۴ء ص ۴۹ [2] ملاحظہ ہو فوائد الفواد، طبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۰۲ھ ص ۱۰۵۔ ہمارے خیال میں یہاں بھی بلاہور ہے اور یہ ایک حقیقت ہو کہ بدایوں سنہ ۵۹۳ھ میں قطب الدین ایبک کے دور میں فتح ہوا ہے، جب صغانی کی تحصیل علوم کے دن ختم ہو چکے تھے، اور وہ نائب مشرف کے عہدہ پر فائز تھے، اسلیے یہ بعید از قیاس ہو کہ صغانی کی تحصیل علم کے زمانہ میں کوئی بلند پایہ محدث لاہور جیسے مرکز علم وسیاست شہر کو چھوڑ کر بدایوں میں حدیث کا درس دے، دراصل یہاں بھی خط شکستہ میں "بلاہور بود" تھا، جو تجنیسی غلطی کے باعث بداؤن بن گیا ہے

تو خود بتا دیتے جس سے ان میں مطالعہ اور تحقیق کا شوق پیدا ہوتا اور وہ تحصیل کمال کے شوق میں سایہ کی طرح والد کے ساتھ رہتے تھے، انسانی زندگی میں سب سے نازک زمانہ عنفوان شباب کا ہوتا ہے، مگر صغانی کا یہ زمانہ بھی علمی استفادہ اور اکتساب کمال سے خالی نہیں ہے، وہ اپنے ایام جوانی کا تذکرہ اور والد کے فیضان علمی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

سالني والدي تغمده الله تعالى	میرے والد نے (اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمتوں
برحمته واسكنه بحبوحة	سے نوازے اور اپنی جنت کے وسط میں جگہ دے)
جنته بغزنة قبل سنة	مجھ سے غزنہ میں ۵۹۰ھ سے قبل جبکہ میں
تسعين وخمسمائة وانا اذاك	نہایت خوش حال اور آسودہ زندگی میں
اسحب مطارف الشباب في	شباب کی چادر گھسیٹ رہا تھا، وہ مجھے تابناک
رغد العيش اللباب وهو	اور درخشاں فوائد سے بہرہ مند فرما رہے تھے
يفيدني غرر الفوائد	اور یکتا موتیوں سے مالا مال کر رہے تھے
ويرشقني درر الفرائد	والد رحمۃ اللہ علیہ فضائل کا ایک ابر
وكان رحمه الله ريانا من	باراں اور رذائل سے کوسوں دور
الفضائل ظمآنا من الرذائل	تھے، مجھ سے اہل عرب کے اس قول
عن معنى قولهم قد اثر	(پہیلی) کے قد اثر حصیر الحصیر فی
حصير الحصير في حصير الحصير	حصیر الحصیر (جیل کے بوریہ نے
فما ادري ما اقول فقال الحصير	بادشاہ کے پہلو میں نشان ڈال دیا) کے معنی پوچھے
الاول البادية والثاني	میں نہ بتا سکا تو انھوں نے خود بتایا کہ پہلا حصیر
السجن والثالث الجنب	بوریہ کے معنی میں ہے، دوسرا جیل خانہ کے، تیسرا

والرابع الملك[1]	کے معنی پہلو کے ہیں اور چوتھا بادشاہ کے معنی میں ہے۔

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ محمد بڑے پایہ کے شخص تھے، اور علوم ظاہری اور باطنی دونوں میں کمال رکھتے تھے،

ہم نے ابتدا میں علامہ کفوی کا جو بیان نقل کیا ہے وہ اگرچہ تین مختصر جملوں "حصل و وصل وکمل" پر مشتمل ہے مگر بڑا معنی خیز اور نہایت جامع ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صغانی نے جملہ فنون کی محض تکمیل ہی اپنے والد سے نہیں کی تھی بلکہ ان کے پاس رہ کر ہر فن میں دستگاہ کامل حاصل کر لی تھی،

مگر تحقیق و تلاش کا جو ذوق صغانی کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا وہ اس پر قانع نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ جب ان کو موقعہ ملا تو ان فنون کی تکمیل کے لیے سفر بھی کیے اور اساتذۂ وقت اور ائمۂ فن سے ان کی تکمیل کر کے باقاعدہ ہر فن کی سند حاصل کی، ہندوستان میں نامور محدثین سے حدیث کا سماع کیا، ان میں حسب ذیل دو نامور روزگار ہستیوں کا نام فہرست آتا ہے، شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں۔

سمع بالهند من القاضي سعد الدين خلف بن محمد الحسنا باذي والنظام محمد بن الحسن المرغينانی[2]	صغانی نے ہندوستان میں قاضی سعد الدین خلف بن محمد الحسنا باذی اور النظام محمد بن الحسن المرغینانی سے حدیث کا سماع کیا ہے۔

ان ہی دو ناموں کو سید مرتضیٰ زبیدی نے بھی تاریخ الاسلام کے حوالہ سے تاج العروس

---

[1] العباب الزاخر مادہ حصر بحوالہ حیوۃ الحیوان از کمال الدین الدمیری مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی مصر، ج ۱ ص ۱۹۹ و اعلام الاخیار تذکرہ حسن بن محمد الصغانی [2] تاریخ الاسلام، تذکرہ حسن بن محمد الصغانی، اس کا مخطوطہ رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔

مادہ "صغن" میں نقل کیا ہے۔

قاضی سعد الدین بڑے متبع شریعت اور بلند پایہ محدث تھے، فقہ میں بھی انھیں ید طولیٰ حاصل تھا، غالباً شہاب الدین محمد غوری کے عہد میں ہندوستان آئے تھے، التتمش کے عہد میں عہدۂ قضا آپ کے سپرد تھا، صغانی نے العباب الزاخر میں ان کا سلسلۂ نسب یہ لکھا ہے

کردر ناحیۃ تتاخم (بیاض)	کردر ایک قصبہ ہے جو متصل ہے
منہا شیخنا ابو محمد خلف بن	.... ہمارے شیخ ابو محمد
محمد بن محمد بن ابراھیم بن	خلف بن محمد بن محمد بن ابراہیم بن
یعقوب الکردری ثم الحسناباذی	یعقوب الکردری ثم حسناباذی
تغمدہ اللہ برحمتہ[1]	رحمۃ اللہ علیہ ہیں کے رہنے والے تھے۔

عصامی نے فتوح السلاطین میں حلت و حرمت سماع کے متعلق قاضی حمید الدین ناگوری اور قاضی سعد الدین و عماد الدین کا جو واقعہ قلم بند کیا ہے، اس سے بھی موصوف کے اجتناب بدعت پر روشنی پڑتی ہے، اس واقعہ کا یہ پہلو عجیب ہے کہ اس مباحثہ میں ایک طرف صغانی کے استاد ہیں اور دوسری طرف ان کے شاگرد،

---

[1] العباب الزاخر مادہ کردر، العباب میں چونکہ بیاض ہے، اسیلیے صاحب قاموس نے بھی صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ کردر بجعفر ناحیۃ بالعجم۔ کردر جعفر کے وزن پر ہے اور یہ عجم میں ایک موضع ہے لیکن یاقوت حموی نے معجم البلدان میں تصریح کی ہے ھی ناحیۃ من نواحی خوارزم وما یتاخمھا من نواحی الترک۔ یہ خوارزم کے اطراف میں اور ترکستان کی سرحدوں سے متصل ایک قصبہ ہے۔ ابن ابی الوفا المتوفی ۷۷۵ھ فقیہ محمد بن عبد الستار بن محمد بن العمادی الکردری کی نسبت لکھتے ہیں "نسبۃ الی الجد المنتسب الیہ البراتقی من اھل براق قصبۃ من قصبات کردر من اعمال جرجانیۃ خوارزم۔ ان کی نسبت ان کے دادا کی طرف ہے جن کے انتساب میں براتقی لکھا جاتا ہے۔ وہ اہل براق میں سے تھے اور یہ کردر کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے جو خوارزم جرجانیہ کے اعمال میں سے ہے۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ قاضی سعد الدین تورانی النسل تھے، طبقات ناصری میں ان کی نسبت میں کردی اور اسی طرح راورٹی کے نسخہ میں گردیزی نسبت صحیح نہیں ،

الظام محمد بن الحسن المرغینانی کا تذکرہ کتابوں میں کہیں نظر سے نہیں گزرا،

ہندوستان کے علاوہ اور بھی مختلف شہروں میں صغانی نے حدیث کا سماع کیا ہے، چنانچہ حافظ عبد القادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ الجواہر المضیہ میں رقمطراز ہیں:

سمع بمکۃ وعدن والھند[1] صغانی نے مکہ، عدن اور ہندوستان میں حدیث کا سماع کیا ہے

تذکرہ نگاروں نے نہ کتابوں کی تفصیل بیان کی ہے اور نہ سنہ کا تعین کیا ہے لیکن صغانی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے سنن ابی داؤد وغیرہ کا سماع مکہ مکرمہ میں کیا تھا، چنانچہ العباب میں لکھتے ہیں:

قال الصاغانی کنت سمعت	صغانی کا بیان ہے۔ میں نے اس حدیث
ھذا الحدیث بمکۃ حرسھا	(بُیر بضاعہ) کو مکہ معظمہ میں (اللہ تعالیٰ
اللہ تعالیٰ وقت سماعی	اس کو سلامت باکرامت رکھے) سنن
سنن ابی داؤد .... و	ابی داؤد کے سماع کے زمانہ میں سنا تھا،
ذلک فی سنۃ ستمائۃ[2]	اور یہ چھٹی صدی کا واقعہ ہے۔

ابتدا میں یہ بات نہایت وضاحت سے بیان ہو چکی ہے کہ صغانی نے جملہ علوم کی تحصیل اپنے والد محمد سے کی تھی، لیکن حدیث کا سلسلہ ایسا ہے کہ جب بھی کسی طالب حدیث کو اس کی سند عالی ہاتھ آتی ہے تو وہ اس کو حاصل کرنا باعث سعادت سمجھتا ہے، یہی جذبہ تھا جس نے صغانی کو ہر کمال سے کسب فیض پر آمادہ کر دیا تھا، چنانچہ ۵۹۹ھ میں جب حج کے لیے مکہ معظمہ گئے تو اس زمانہ کے نامور محدثین سے حدیث کا درس لیا،

---

[1] الجواہر المضیہ، طبع دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ج ۱ ص ۲۰۲

[2] ملاحظہ ہو العباب الزاخر مادہ "بضع" بحوالہ تاج العروس۔

صغانی نے حرم میں اس فن کو جس تحقیق اور دقت نظر سے حاصل کیا اس کا اندازہ ان کے
اس بیان سے ہوگا جو انھوں نے العباب الزاخر میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

بئر بضاعة بالمدينة قد جاء
ذكرها في حديث ابي سعيد
الخدري رضي الله عنه قطرها
ستة اذرع قال ابو داؤد
سليمان بن الاشعث قدرت
بئر بضاعة بردائي، مددته
عليها، ثم ذرعته، فاذا عرضها
ستة اذرع قال وسألت
الذي فتح لي باب البستان
فادخلني اليه هل غير بناءها
عما كانت عليه؟ فقال لا.
ورأيت فيها ماء متغير
اللون قال الصاغاني كنت
سمعت هذا الحديث بمكة
حرسها الله تعالى وقت
سماعي سنن ابي داؤد
فلما تشرفت بزيارة

بئر بضاعہ (کنواں) مدینہ میں ہے اور اس کا
تذکرہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ
عنہ کی حدیث میں ہے، اس کنویں کا
قطر چھ ذراع ہے، امام ابو داؤد
سلیمان بن الاشعث سجستانی کا بیان ہے
کہ میں نے اپنی چادر سے بئر بضاعہ کو ناپا،
پہلے میں نے اس پر چادر پھیلائی اور
پھر ہاتھ سے اسے ناپا تو اس کا عرض
چھ ہاتھ نکلا، (ابو داؤد) کا بیان ہے کہ
کہ باغ کے جس نگراں نے اس کا دروازہ
کھولا اور جو مجھے اندر لے کر گیا تھا میں نے
اس سے پوچھا کہ کیا اس کی پہلی اور اب کی
حالت بنا میں کچھ تغیر ہوا ہے، اس نے
جواب دیا، نہیں، ابو داؤد کہتے ہیں میں نے
اس کنویں میں پانی کی رنگت بدلی ہوئی دیکھی۔
صغانی فرماتے ہیں کہ میں نے سنن ابی داؤد کے
سماع کے وقت جب اس حدیث کو مکہ مکرمہ

النبی صلی اللہ علیہ وسلم	میں سنا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
وذالک فی سنۃ ستمائۃ	کے روضہ کی زیارت کے لیے مدینہ حاضر
دخلت البستان الذی	ہوا، یہ سنہ ۶۰۰ھ صدی کا ذکر ہے تو میں بھی
فیہ بیر بضاعۃ وقدرت	اس باغ میں گیا جس میں بئر بضاعہ واقع تھا،
راس البئر بعمامتی فکان کما قال	اور اپنے عمامہ سے کنویں کے دہانے کو ناپا تو اتنا ہی
ابوداؤد	پایا جتنا امام ابوداؤد نے بیان کیا تھا۔

"وقت سماعی" کی قید احترازی ہے کیونکہ بیر بضاعہ کی یہ حدیث تنہا سنن ابی داؤد ہی میں نہیں بلکہ صحاح کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے، امام ترمذی نے "جامع ترمذی" میں اور نسائی نے سنن المجتبیٰ میں اس کی تخریج کی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ صغانی نے صحاح کی دوسری کتابوں کا بھی سماع نہیں کیا تھا، اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صغانی کا قیام یہاں پانچ برس رہا ہے، حجاز میں اس طویل قیام کا مقصد جہاں محاورات عرب پر عبور حاصل کرنا تھا، وہاں کتب صحاح کا سماع بھی تھا،

صغانی نے حدیث کی صرف مشہور کتابوں ہی کا سماع نہیں کیا تھا بلکہ ایسی کتابوں کا سماع بھی کیا تھا جن کا سماع اس دور میں عموماً نہیں کیا جاتا تھا، ان کتابوں میں ابوالہیثم ابن کلیب[۵] المتوفی ۳۳۵ھ کی المسند الکبیر بھی ہے، صغانی نے اس کا پورا سماع کیا تھا، چنانچہ العباب الزاخر میں لکھتے ہیں،

الھیثم بن کلیب بن شریح	ہیثم بن کلیب بن شریح بن معقل الشاشی
بن معقل الشاشی صاحب	صاحب مسند کبیر، اس کتاب لعباب

---

[۵] موصوف کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الانساب مطبوعہ لیدن ۱۹۱۲ء نسبت الشاشی

المسند الکبیر قال الصغانی	کا مؤلف صغانی کہتا ہے کہ ہیثم بن
مولف ھذا الکتاب مسندہ	کلیب کی مسند میرے پاس موجود ہے
عندی وھو سماعی ولم	اور مجھے اس کا سماع حاصل ہے،
اجد ببغداد نسخۃ منہ سوی	بغداد میں میرے سوا کسی کے پاس
ما عندی[1]	اس کا نسخہ موجود نہیں تھا۔

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صغانی نے فن حدیث کو روایۃً اور درایۃً کس طرح حاصل اور جزئی سے جزئی امور کا کتنی ژرف نگاہی سے مشاہدہ کیا تھا۔ اس واقعہ سے صغانی کی افتادِ طبع پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ انھوں نے کیسی مجتہدانہ طبیعت پائی تھی، اور ان کی فطرت میں تحقیق اور جستجو کا کیسا مادہ ودیعت کیا گیا تھا، اس سے یہ بھی قیاس ہوتا ہے کہ انھوں نے دوسرے فنون کی تحصیل بھی کس ذوق و شوق سے کی ہوگی،

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

شیوخ حدیث | تذکرہ نگاروں نے صغانی کے شیوخ کی تفصیل بیان نہیں کی ہے، جس نے سیکڑوں ارباب کمال اور ائمۂ فن سے علوم کی تکمیل کی ہو ظاہر ہے کہ جب تک وہ خود اپنے شیوخ کا تذکرہ نہ لکھے، کون ضبط تحریر میں لا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ کام محدثین رحمہم اللہ نے خود کیا اور ان ارباب صدق و صفا کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ آج بھی ہزاروں محدثین کا تذکرہ محفوظ ہے، مگر صغانی نے نہ خود اپنے حالات لکھے ہیں اور نہ اپنے شیوخ کا تذکرہ تحریر کیا۔ تلاش و تفحص سے جو چند نام دریافت ہو سکے وہ ہدیۂ ناظرین ہے،

(۱) ابو الفتوح الحصری۔ پورا نام برہان الدین ابو الفتوح نصر بن ابی الفرج

---

[1] ملاحظہ ہو العباب الزاخر مادہ شوش

محمد بن علی البغدادی الحنبلی المتوفی ۶۱۹ھ ہے، موصوف بغداد میں پیدا ہوئے، مکہ میں سکونت اختیار کی اور یہیں حدیث کا درس دیا، اسی مناسبت سے امام الحرم اور امام الحطیم کے لقب سے مشہور تھے، امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں موصوف کا نہایت مبسوط ترجمہ لکھا ہے اور اس میں ابن النجار کے حوالہ سے ان کے متعلق یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

کان حافظا حجۃ نبیلاً من	وہ حافظ الحدیث اور حجۃ اور دین کے
اعلام الدین جما لعلم	علماء اعلام میں تھے، ان کا علم نہایت
کثیر المحفوظ، کثیر التعبد	وسیع تھا، یادداشت نہایت قوی تھی، بڑے
التہجد[1]	مرتاض اور شب زندہ دار بزرگ تھے،

"شذرات الذہب" میں مورخ ابن العماد نے بصراحت لکھا ہے سمع منہ خلق کثیر من الائمۃ الحفاظ، حفاظ حدیث کی بہت بڑی جماعت نے آپ سے حدیث کا سماع کیا تھا، علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں:۔

قد سمع بمکۃ من ابی الفتوح	صغانی نے حرم میں شیخ ابو الفتوح نصر
نصر بن الحصیری[2]	ابن الحصیری سے حدیث کا سماع کیا تھا،

سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس میں تصریح کی ہے کہ ابو الفتوح الحصری نے قطب الاقطاب شیخ عبد القادر جیلانی کو دیکھا تھا، اخیر زمانہ میں اشاعت علم کی غرض سے مکہ معظمہ سے یمن میں آگئے تھے اور یہیں وفات پائی، ان کا مزار آج بھی زیارت گاہ خلائق اور مزار شیخ برہان کے نام سے مشہور ہے۔[3]

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ طبع دوم دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۳۴ھ ج ۴ ص ۱۶۹ [2] تاریخ اسلام واقعات ۶۵۰ھ تذکرہ حسن بن محمد الصغانی [3] ملاحظہ ہو تاج العروس مادہ "حصر"

(۳) ابو منصور ابن الرزاز سعید بن محمد البغدادی المتوفی ۶۱۶ھ، علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام میں بصراحت لکھا ہے کہ صغانی نے بغداد میں ان سے حدیث کا سماع کیا تھا [۱]،

ابن العماد الحنبلی نے ابو الفتوح الحصری اور ابن الرزاز کا ذکر صغانی کے تذکرہ میں کیا ہے اور ان کا جداگانہ تذکرہ بھی لکھا ہے،

قاضی سعد الدین خلف بن محمد الحسنا باذی اور النظام محمد بن الحسن المرغینانی کا ذکر اوپر گذر چکا،

علامہ کفوی نے اعلام الاخیار میں شیوخ حدیث کو نام بنام نہیں گنایا ہے، مگر یہ لکھا ہے

سمع الحدیث بمکۃ وعدن	صغانی نے مکہ معظمہ، عدن اور ہندوستان
والھند من شیوخ کثیرۃ	میں بیشمار شیوخ حدیث سے سماع کیا ہے،

شیوخ فقہ | صغانی نے فقہ بھی یگانۂ فن فقہاء سے پڑھی تھی، جن میں صاحب ہدایہ کے فرزند شیخ الاسلام نظام الدین عمر بن علی المتوفی بعد ۶۰۰ھ کا نام سرفہرست ہے، مولانا عبید اللہ سندھی، التمہید لتعریف ائمۃ التجدید میں لکھتے ہیں:

حسن الصاغانی الحافظ	حافظ الحدیث صغانی بواسطہ ابوحفص عمر
عن ابی حفص عمر المرغینانی	مرغینانی اپنے والد شیخ الاسلام علی بن
عن ابیہ شیخ الاسلام علی	ابی بکر المرغینانی سے حدیث روایت
بن ابی بکر المرغینانی ...	کرتے ہیں اور فقہ میں بھی صاحب ہدایہ
وفی الفقہ فانہ اخذ عن	سے بواسطہ عمر المرغینانی راوی ہیں
صاحب الھدایہ بواسطۃ	اور آپ ہی ہندوستان کے

---

[۱] ذہبی کا یہ بیان ابھی تحقیق طلب ہے، بغداد کے قیام میں انشاء اللہ اس پر کچھ عرض کیا جائے گا۔

ولدہ عمر المرغینانی فہو شیخ الھند الاول[1] پہلے شیخ الحدیث والفقہ ہیں۔

وہ ان فقہا میں سے تھے جنھیں نزاع اور خصومات کے طے کرنے میں ید طولیٰ حاصل تھا،
والد کی طرح شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور تھے اور فتاوی میں حرف آخر سمجھے جاتے تھے، فقہ
متعدد کتابیں آپ سے یادگار ہیں۔

لغت کی تحصیل | فن لغت بھی ابتدا میں فن حدیث کی طرح ائمۂ لغت کے حافظوں میں محفوظ
اور سنداً روایت کیا جاتا تھا، مگر جب یہ فن کتابی صورت میں مدون ہو گیا تو اس کی
ابتی حیثیت کم ہو گئی اور زمانۂ ابعد میں اگرچہ مدون و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل
چکا تھا، مگر بعض قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ صغانیؒ نے علم لغت کی تحصیل بھی ابتدا میں
نے والد محمد سے کی تھی، جیسا کہ گذشتہ واقعات سے ظاہر ہے، صغانی نے ائمۂ لغت
بعض اہم کتابوں کو حفظ کیا تھا، چنانچہ یاقوت رومی المتوفی ۶۲۶ھ صغانی سے ناقل ہیا

کان یقول لاصحابہ احفظوا	صغانی اپنے شاگردوں سے کہتے تھے تم
غریب ابی عبید فمن حفظہ	ابو عبید کی الغریب کو یاد کرو جس نے بھی
ملک الف دینار فانی حفظتہ	اسے یاد کیا وہ ایک ہزار دینار کا مالک ہوا
فملکتھا واشرت علی بعض	میں نے بھی اسے یاد کیا تھا، میں بھی ایک ہزار
اصحابی بحفظہ فحفظہ	دینار کا مالک بنا اور میں نے بعض دوستوں کو بتایا
وملکھا[2]	انھوں نے بھی اسکو یاد کیا وہ بھی ہزار دینار کے مالک ہوئے

محاورات عرب پر عبور حاصل کرنے کے لیے سرزمین نجد میں پانچ برس قیام کیا

---

[1] ملاحظہ ہو التمہید لتعریف ائمۃ التجدید، اس کا قلمی نسخہ مولانا عبید اللہ سندھی کے ربیب عزیز مولوی عزیز احمد صاحب
پاس ہماری نظر سے گذرا ہے۔ [2] ملاحظہ ہو ارشاد الاریب طبع سوم مطبعہ ہندیہ مصر ۱۹۲۶ء ج ۳ ص ۲۱۱

اور اس طرح اس فن کی تکمیل کی اور ایسا کمال بہم پہنچایا کہ امام لغت قرار پائے،

لاہور میں آمد اور عہدۂ قضا کی پیشکش | صغانی کے والد محمد کی صحیح تاریخ وفات کا پتہ نہ چل سکا، مگر بعض واقعات اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ۵۹۰ھ کے لگ بھگ ہوا کیونکہ ان کے متعلق جو واقعات صغانی سے منقول ہیں وہ ۵۹۰ھ سے پیشتر کے ہیں، ۵۹۰ھ یا اس کے بعد کا کوئی واقعہ نہیں ملتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزنہ میں ان کا انتقال ۵۹۰ھ میں ہوگیا تھا، والد کے انتقال کے بعد آپ غزنہ کو خیرباد کہکر لاہور آگئے، اس وقت ہندوستان کے تخت سلطنت پر قطب الدین ایبک تھا، جو نہایت خلیق، مردم شناس اور صائب الرائے بادشاہ تھا، اس کا بچپن چونکہ ایک نامور فقیہ قاضی فخر الدین بن عبد العزیز کوفی کے گھر میں گذرا تھا اور وہ عہدۂ قضا کی اہمیت شرائط اور اہلیت سے پوری طرح واقف تھا، اس لیے صغانی کو لاہور کا جسے شاہان وقت کی فیاضیوں نے علم وہنر کی نمائشگاہ بنایا تھا، عہدۂ قضا پیش کیا، مولانا عبد الحئی لکھنوی نزہتہ الخواطر میں لکھتے ہیں،

عرض علیہ قطب الدین ایبک	قطب الدین ایبک نے لاہور کا
القضا بمدینۃ لاھور	عہدۂ قضاء آپ کو پیش کیا مگر آپنے
فلم یجبہ[1]	اسے قبول نہیں کیا،

عجیب اتفاق ہے کہ جس مرکز علم وسیاست میں صغانی نے جنم لیا تھا، اسی شہر کا عہدۂ

---

[1] نزہتہ الخواطر میں مولانا عبد الحئی لکھنوی نے اس کے بعد لکھا ہے

رحل الی غزنۃ یدرس ویفید	پھر آپ غزنہ چلے گئے اور وہاں درس وتدریس
ثم دخل العراق	کا مشغلہ اختیار کیا پھر عراق آگئے،

یہ بیان محل نظر ہے، کیونکہ غزنہ میں درس وتدریس کا شغل اختیار کرنا اور وہاں سے عراق جانا کہیں تاریخ سے ثابت نہیں، اس غلطی کی اصل وجہ یہ ہے کہ مولانا عبد الحئی نے حسن صغانی اور رضی الدین صغانی کو دو جداگانہ شخصیتیں قرار دیا ہے، اسی لیے حسن صغانی کے تذکرہ میں کول کے قیام کا ذکر تک نہیں کیا ہے،

صغانی بھی ان کو پیش کیا گیا، دورِ شباب میں جب عموماً انسان عیش وعشرت کا دلدادہ ہوتا ہے، صغانی نے امیرانہ اور آمرانہ عیش وعشرت پر فقیرانہ زندگی کو ترجیح دی اور سلطان وقت کی اس پیشکش کو رد کر دیا، یہ واقعہ اس امر کا بین شاہد ہے کہ اس زمانہ میں صغانی کی علمی شہرت ایوان شاہی تک پہنچ چکی تھی،

صغانی درویشانہ طبیعت رکھتے تھے، وہ لاہور سے ہوتے ہوئے کول (علی گڑھ) آئے، اس زمانہ میں کول نیا نیا مسلمانوں کے تصرف میں آیا تھا، محمد قاسم فرشتہ کا بیان ہے۔

> در سنہ تسع وثمانین وخمسمأتہ قلعہ کول رامسخر کردہ ودہلی را دارالملک ساختہ انجا قرار گرفت واطراف ونواحی آں را درضبط آوردہ شعائر اسلام ظاہر ساخت[۱]

کول میں آمد اور نائب مشرف کے عہدہ پر تقرر | کول آنے کے بعد یہاں کے نائب مشرف مقرر ہوئے، خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا بیان ہے،

> بعد ازاں در کول آمد ونائب مشرف شد[۲]

صغانی ایک عرصہ تک اپنے فرائض منصبی کو تندہی کے ساتھ انجام دیتے رہے، اتفاقاً ایک دن کسی معاملہ پر مشرف کی زبان سے کوئی نامناسب بات نکل گئی، صغانی اس کی نادانی پر مسکرا دیے، مشرف اگرچہ اس منصب کا اہل اور قابل شخص تھا، مگر انسان تھا، آپ کے مسکرانے پر اور غضبناک ہو گیا اور غصہ میں دوات اٹھا کر پھینک ماری، آپ جگہ سے ذرا ہٹ گئے اور دوات دور جا کر گری، آپ اسی وقت یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ ایسے جاہلوں کے ساتھ نشست وبرخاست نہیں رکھی جا سکتی، خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ مطبوعہ بمبئی ۱۸۳۲ء ج ۱ مقالہ دوم ص ۱۰۶ [۲] ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۰۴

مشرف کہ منسوب او بود ہم اہل بود مگر روزے ایں مشرف سخنے گفت مولانا رضی الدین

تبسم کرد مشرف دوات جانب او فرستاد او منحرف شد بہ وزیر سید چوں آنجاں بدید ازاں مقام

برخاست و گفت ازاینجا باجہال نشست و برخاست نمی باید کرد"

حاکم کول کے یہاں اتالیق مقرر ہونا | صغانیؒ نے جب مشرف کی اس نازیبا حرکت کے باعث ملازمت ترک کردی تو حاکم کول (حسام الدین اوغلبک) نے سونکوں پر اپنے فرزندوں

کی تعلیم کے لیے آپ کو اتالیق مقرر کیا، خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا بیان ہے:

بعد ازآں دنبال زیارت تحصیل شد پسر والی کول را تعلیم کردے۔

حضرت محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ آپ اسی قلیل آمدنی پر گذر بسر کرتے رہے، موصوف

کے الفاظ ہیں:

"بداں قانع بودے"

صغانیؒ کا جب تک کول میں قیام رہا، درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے

اور پھر ۵۹۹ھ میں حج کے لیے روانہ ہو گئے،

ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک ایک جھلک

مُرتّبہ

سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے

قیمت: ۸؎

منیجر

امام لغت حسن بن محمد الصغانی اللاہوری

مولانا عبدالحلیم چشتی فاضل دیوبند

(۳)

جیسا کہ اوپر گذر چکا، صغانیؒ کول میں حاکم کول حسام الدین اوغلبک کے فرزند کے اتالیق تھے، ۵۹۵ھ میں حج کی ادائیگی اور دربار رسول کی حاضری کا خیال ہوا، فوراً رخت سفر باندھا، عسرت کا یہ حال تھا کہ پاؤں میں جوتے تک نہ تھے، بازار جاکر نیا جوتا خریدا اور بغیر اطلاع کیے کول سے روانہ ہوگئے، وارفتگی کے عالم میں ایک منزل کی مسافت تو طے کرلی مگر تھک کر چور ہوگئے اور یہ اندازہ ہوگیا کہ راستہ پاپیادہ طے نہیں ہوسکتا، اسی فکر میں تھے کہ غیب سے سامان ہوگیا، آپ کی روانگی کی خبر والی کول کے فرزند کو ہوگئی، وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا حاضر خدمت ہوا، صغانی نے دیکھکر دل میں خیال کیا کہ اگر یہ گھوڑا دیدے تو سفر بآسانی طے ہوجائے، لڑکے نے واپس چلنے کی درخواست کی، صغانیؒ نے انکار کردیا وہ اصرار کرتا رہا، مگر مولانا انکار فرماتے رہے، جب اسے یقین ہوگیا کہ واپس نہیں جائیں گے تو اس نے عرض کیا، اگر مراجعت کی درخواست قبول نہیں ہوتی تو اس گھوڑے کو قبول فرمائیں، صغانی نے گھوڑا لے لیا اور روانہ ہوگئے، خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا بیان ہے

چوں از کول عزیمت حج کرد، نعلین بخرید در پائے کرد، چوں یک منزل رسید مانده شد، دانست که پیاده نتواند رفت، ہمدراں اندیشه بود که پسر والی کول سوار شده

ودان بیامد، تا اورا باز گرداند چوں آنجا آمد، مولانا را نظر بروے افتاد و او را دید کہ براسپے سوار شدہ می آید در خاطر کرد کہ اگر ایں اسپ مرا دہد من آسودہ توانم رفت دریں فکرت بود کہ پسر والی بیاید، مولانا را بجہت باز گردانیدن بسیار الحاح کرد، مولانا باز نگشت چوں پسر والی دید کہ البتہ باز نخواہد گشت گفت حالا ایں اسپ کہ بر و سوار آمدہ ام قبول کن، مولانا اسپ بستد و روان شد[1]"

صغانیؒ نے ہندوستان کی پوری مسافت اسی گھوڑے پر طے کی اور سندھ کے راستہ سے عراق ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے۔

حجاز میں قیام حجاز ہمیشہ سے علماء و صلحاء کا مرکز رہا ہے، یہیں صغانی نے شیخ الحرم ابو الفتوح الحصری سے صحاح ستہ وغیرہ کا سماع کیا اور مدینہ جاکر بئر بضاعہ کی پیمائش کی جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

صغانی کا ایک مدت تک یہاں قیام رہا، مگر بیشتر زمانہ حرم کی مجاورت میں گذرا۔ مورخ کفویؒ کا بیان ہے،

قد اقام بمكة مجاورة مدة[2]	صغانی ایک زمانہ تک مکہ معظمہ میں مجاور رہے ہیں۔

صغانیؒ کا قیام حجاز میں کم و بیش پانچ برس رہا ہے۔ جس کا بیشتر حصہ حرم بیت اللہ میں گذرا، اسی لیے وہ اپنی تحریروں کے آغاز اور اختتام پر عموماً الملتجی الی حرم اللہ کے الفاظ لکھتے تھے، ابن ابی مخرمہ المتوفی ۹۰۳ھ کا بیان ہے۔

جاور بالحرمین الشریفین	آپ نے کئی برس حرمین شریفین کی مجاورت

---

[1] ملاحظہ ہو فوائد الفواد طبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۱۲ھ ص ۱۰۴۔ [2] الاعلام الاخیار مخطوطہ ٹونک ترجمہ حسن بن محمد الصغانی

سنین عدیدۃ و تسمّی	کی اور الملتجی الی حرم اللہ
بالملتجی الی حرم اللہ[1]	کے نام سے موسوم ہوئے۔

صغانیؒ کے حجاز میں اس طویل قیام کا مقصد جہاں مجاورت بیت اللہ اور حج و زیارت کی نعمت سے بار بار سرفراز ہونا تھا وہاں نامور محدثین سے حدیث کا سماع، محاورت عرب و امثال عرب کی تحقیق اور مقامی چیزوں کا مشاہدہ بھی کرنا تھا۔

قیام حجاز ہی کے زمانہ میں صغانی نے پہلی مرتبہ ارینۃ گھاس کا مشاہدہ کیا تھا۔ العباب الزاخر میں لکھتے ہیں،

قال شمر الارینۃ وھی	علامہ شمر کا بیان ہے کہ ارینہ
نبات یشبھا الخطمی عریض	ایک ایسی گھاس ہے جس کے پتے
ورق وقال الصغانی	چوڑے ہوتے ہیں اور وہ خطمی سے
مولف ھذا الکتاب ولی	مشابہ ہوتی ہے، اس کتاب کا مولف
ما رأیت الارینۃ سنۃ	صغانی کہتا ہے، میں نے پہلی مرتبہ
خمس وستمائۃ دون	۶۰۵ھ میں ارینہ کو جمرۃ العقبہ
جمرۃ العقبۃ بینھا و	کے پار اور جبل حراء کے درمیان
بین جبل حراء[2]	دیکھا تھا،

یہی وجہ ہے کہ صغانی نے ان لغت نویسوں کی جنھیں اہل عرب سے بالمشافہہ اخذ لغت کا فخر حاصل ہے، بہت سی ایسی چیزوں میں ان کی تردید کی ہے جن کا تعلق سرزمین

[1] کتاب تاریخ ثغر عدن، طبع لیڈن ۱۹۳۶ء ج ۲ ص ۵۵　[2] العباب الزاخر، روٹوگراف سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ، لفظ (خلق) نیز تاج العروس مادہ حق

عرب ہی سے ہے، چنانچہ جوہری نے صحاح میں لفظ اعلیط کے معنی ورق المرخ کے لکھے ہیں، صغانی اسی کے متعلق لکھتے ہیں کہ جوہری کا یہ بیان صحیح نہیں، سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس میں ناقل ہیں،

قال الجوهري الاعليط ورق	جوہری نے کہا ہے اعلیط، مرخ (درخت)
المرخ قال الصاغاني وهو غير	کے پتوں کو کہتے ہیں، صاغانی نے کہا
سديد لان المرخ لا ورق	ہے، جوہری کے یہ معنی لکھنا ٹھیک نہیں'
له وعيدانه سلبة	مرخ کے تو پتے ہی نہیں ہوتے اسکی
وهي قضبان دقاق[1]	ٹہنیاں خشک ہوتی ہیں اور وہ بھی
	باریک باریک اور لمبی،

یہی انداز صغانی کا امثال عرب کی تحقیق میں بھی ہے، عرب میں ایک مثل مشہور ہے،

في كل شجر نار واستمجد	ہر درخت میں آگ ہے تم مرخ اور عفار
المرخ والعفار[2]	(یہ بھی درخت ہیں) کو حاصل کرو (کیونکہ یہ دونوں ...)

یہ ضرب المثل ایسے موقع پر بولی جاتی ہے جہاں کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر ترجیح دینی ہوتی ہے، نیز چقماق کا اوپر والا حصہ مرخ اور نیچے والا حصہ عفار کے نام سے پکارا جاتا ہے، صغانی اس کے متعلق اپنا مشاہدہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے مرخ کو مکہ کے راستہ میں مقام قدید[3] میں دیکھا تھا، سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں :

---

[1] ملاحظہ ہو تاج العروس مادہ (علط) [2] تفصیل اور تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو مجمع الامثال للمیدانی المتوفی ۵۱۸ھ طبع مصر ۱۳۴۲ھ ج ۲ ص ۱۸ [3] قدید، سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس (مادۂ قد) میں ابن الاثیر الجزری کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ قدید، مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی کے ایک گھاٹ کا نام ہے، یہ مقام غار ثور سے آگے ہے، ہجرت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور سے آکر یہیں قیام فرمایا تھا، صغانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری تک یہ مقام متعین تھا، سال کے تغیرات نے اس کا نام و نشان تک مٹا دیا ہے۔

قال الصغانی اول دما رأیت	صغانی فرماتے ہیں مرخ میں نے پہلی مرتبہ
سنة خمس وستمائة بقدید	۶۰۵ھ میں قدید کے اندر خیمتی ام معبد
عند موضع خیمتی ام معبد[1]	رضی اللہ عنہا کے پاس دیکھا تھا، اور

[1] ام معبد۔ آپ کا نام عاتکہ اور کنیت ام معبد ہے۔ آپ وہی مشہور صحابیہ ہیں جن کے یہاں ہجرت کے موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غار ثور سے آکر فروکش ہوئے تھے، ان کا مکان مقام قدید میں تھا۔ شاعر کے حسب ذیل شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ	رفیقین قالا خیمتی ام معبد
اللہ تعالیٰ ان دونوں رفیقوں کو جزائے خیر دے	جنھوں نے ام معبد کے خیموں میں دو پہر کو آرام کیا۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کے یہاں رونق افروز ہوئے تو انھوں نے ایک بکری ذبح کرنے کے لیے پیش کی جو دودھ دیتی تھی۔ آپ نے اس کے تھن چھوئے اور فرمایا، اس کو ذبح نہ کرو، ام معبد رضی اللہ عنہا دوسری بکری لے آئیں اور اسے ذبح کرکے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو کھانا کھلایا۔ ام معبد رضی اللہ عنہا کا بیان ہے۔ جس بکری کے تھن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ لگایا تھا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت تک ہمارے پاس رہی، ہم اسے صبح وشام دوہا کرتے اور اس کا دودھ پیا کرتے تھے۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کس سنہ میں مشرف باسلام ہوئیں، اس میں اختلاف ہے۔ بروایت محمد بن عمر آپ اسی زمانہ میں مسلمان ہو چکی تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ ج ۸ ص ۲۱۲)

رضی اللہ عنہا واتخذت منہ
الزناد لمّا کان ملبغنی من قولھم
فی کل شجرنار واستمجد المرخ
والعفار[1]

میں نے اسی کی چقماق بنائی تھی، کیونکہ
مجھے اہل عرب کی اس مثل فی کل شجر
نار واستمجد المرخ والعفار
کا علم تھا،

یمن میں آمد | حجاز ہی میں ۶۰۵ھ میں غالباً صغانی نے یمن کے مشہور محدث قاضی ابراہیم بن احمد کا شہرہ سنا، چنانچہ اسی سال حجاز سے یمن آگئے اور وہاں احادیث کا سماع کیا، مورخ ذہبی تاریخ الاسلام میں رقمطراز ہیں:

سمع بالیمن من القاضی ابراھیم
بن احمد بن سالم القریظی[2]

یمن میں قاضی ابراہیم بن احمد بن سالم القریظی
سے صغانی نے حدیث کا سماع کیا ہے،

قاضی ابراہیم نہایت بلند پایہ محقق، فقیہ اور محدث تھے، ابن ابی مخرمہ المتوفی ۹۰۳ھ تاریخ ثغر عدن میں لکھتے ہیں:

ابو اسحٰق ابراھیم بن احمد
بن عبد اللہ بن محمد بن سالم
القریظی الفقیہ الشافعی
کان فقیھا نبیھا بارعاً محققاً
قرأ الفقہ علی ابیہ وغیرہ

ابو اسحٰق ابراہیم بن احمد بن عبد اللہ بن محمد
ابن سالم القریظی الفقیہ الشافعی نہایت
بلند پایہ فقیہ اور محقق تھے، فقہ وغیرہ کی
تحصیل اپنے والد اور دیگر فضلاء سے کی
تھی، عدن کی خطابت ان کے خاندان

---

[1] نیز مجمع الامثال مولفہ نجم کرمانی طبع طہران ۱۲۹۰ھ ص ۵۱۴ - ملاحظہ ہو تاج العروس مادہ (علط) سید مرتضیٰ زبیدی تاج العروس میں لکھتے ہیں اول رؤیتی فی المرخ والعفار بالدریھمی وھی قریۃ بالیمن سنۃ ۱۱۶۶ مرخ اور عفار کو میں نے پہلی مرتبہ ۱۱۶۶ھ میں دریھمی میں دیکھا تھا، یہ یمن میں ایک بستی ہے۔ [2] فی الاصل ابراہیم ابن احمد بن ابی سالم القریضی، ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام مخطوطہ رضا لائبریری رام پور، ترجمہ حسن بن محمد الصغانی

..... ولم تزل خطابة عدن بأيدي ذريته ... وأظن وفاته كانت في العشرين الأولى من [المائة السابعة]

میں رہی ہے، میرا خیال ہے، ان کا انتقال ساتویں صدی کے اوائل میں ۶۰۰ھ–۶۲۰ھ کے مابین ہوا ہے۔

فقیہ ابراہیم کی حیثیت محض شیخ اور استاد ہی کی نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ذہبی کے بیان سے ثابت ہوتا ہے، بلکہ انھیں بھی صغانی سے اخذ و تلمذ کی نسبت حاصل ہے۔ ابن ابی مخرمہ نے تاریخ ثغر عدن میں ایک موقعہ پر اس حیثیت کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

ابو محمد سعد بن مسعود المنجوي ... لم يذكر الجندي ولا الخزرجي ما يدل على وصول الاديب سعد بن سعيد المنجوي الى ثغر عدن وانما ذكرته هنا لاني رأيت في ثبت شيخ المحدثين في عصرنا بالديار اليمنية عماد الدين يحيى العامري ما يدل على دخوله الى ثغر عدن وذلك انه ذكر فيه ان الاديب الرئيس سعد بن سعيد المنجوي اخذ

ابو محمد سعد بن مسعود المنجوی .... ان کے بارے میں مورخ جندی اور خزرجی دونوں نے کوئی ایسی بات بیان نہیں کی جس سے سعد بن سعید المنجوی کے ثغر عدن میں آنے کا حال معلوم ہو سکتا، میں نے ان کا ذکر یہاں اس لیے کیا ہے کہ میں نے اپنے دور کے یمنی شیخ المحدثین عماد الدین یحییٰ العامری کا ثبت[1] دیکھا ہے جس سے ان کی عدن میں آمد کا پتہ چلتا ہے، اس میں مذکور ہے کہ ادیب سعد بن سعید المنجوی خطیب نباتیہ (مولفہ ابو یحییٰ عبدالرحیم ابن محمد بن محمد الفارقی المتوفی ۳۷۴ھ)

---

[1] تاریخ ثغر عدن ج ۲ ص ۲۸۰ جس میں محدث اپنے شیوخ حدیث کے مختصر حالات اور اسناد جمع کرتا ہے۔

الخطب النباتية عن القاضی	قاضی ابراہیم بن محمد القریظی سے عدن میں
ابراهيم بن محمد القريظی بعدن	پڑھتے تھے جس کی سند انھیں حسن بن محمد
باخذه لها عن الحسن بن محمد	الصغانی سے عدن میں حاصل ہوئی تھی'
الصغانی بعدن، كذا وجدته	اسی طرح میں نے حافظ عامری کے ثبت
فی ثبت الحافظ العامری و	میں لکھا ہوا دیکھا ہے اور اس عبارت کے
الظاهر ان قوله بعدن ظرف	سیاق سباق سے ظاہر ہے کہ اس میں
لاخذ المنجوی عن القريظی	بعدن لاخذ المنجوی عن القریظی
وليس هو ظرف للقضاء المتصف	کا ظرف ہے اور یہ قضا کا ظرف نہیں ہے
به القريظی بدليل ذكره ذلك	جس سے قریظی متصف ہیں، اس کی دلیل
ايضاً فی اخذ القريظی عن الصغانی	یہ ہے کہ ایسا ہی اخذ القریظی عن الصغانی
فالظاهر ان المنجوی المذكور	میں ہے، جس سے ظاہر ہے کہ منجوی مذکور
دخل عدن عند خروجه	کی عدن میں آمد، صغانی کے مکہ اور شام
الی مكة والشام فاخذ عن	کی طرف نکلنے کے بعد ہوئی ہے اور پھر
القريظی الخطب النباتية	منجوی نے قریظی سے خطب نباتیہ کی سند لی ہے'
ذلك لذلك ذكرته هنا[1]	اسی لیے میں نے ان کا ذکر اس کتاب میں کیا ہے'

ان ہی ایام میں صغانی کی کشتی یمن کی حسب ذیل بندرگاہوں پر لنگر انداز رہی ہے، (۱) کنیسہ یہ زبید سے متصل بحرین کی ایک بندرگاہ ہے، صغانی العباب لزاخر میں رقمطراز ہیں۔

الكنيسة مرسی من مراسی بحر	کنیسہ، بحرین کی بندرگاہوں میں سے ہے'

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ ثغر عدن ج ۲ ص ۱۹

الیمن ممایلی زبید للجاءی	جو یمن سے مکہ کی راہ آنے والے کے لیے زبید سے
من مکه حرسها الله تعالےٰ	متصل ہو، صغانی اس کتاب العباب
قال الصغانی مولف هذا الکتاب	کا مولف کہتا ہے ۶۰۵ھ میں میں بھی
ارسیت بها سنة خمس وستمائة[1]	یہاں آیا ہوں،

(۲) فرسان، یہ بھی جزائر بحر الیمن میں ایک خوفناک جزیرہ ہے اور مخلاف سلیمانی کے مقابل واقع ہے، صغانی فرماتے ہیں،

فرسان مثال غطفان جزیرة	فرسان بروزن غطفان، جزائر یمن میں سے
ماهولة من جزائر بحر الیمن	ایک خوفناک جزیرہ ہے، صغانی[2]
قال الصغانی مولف هذا الکتاب	اس کتاب کا مؤلف کہتا ہے ۶۰۵ھ
ارسیت بها ایام سنة خمس ستمائة	میں میں یہاں آیا ہوں۔

(۳) مراک، یہ بھی عدن سے متصل بحر یمن میں ایک بندرگاہ ہے، یہاں کئی مرتبہ صغانی گئے ہیں، سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں:

مراک کسحاب قال الصاغانی	مراک بروزن سحاب ہے، صغانی کہتا ہے
هو بالیمن علی ساحل البحر وفیه	یہ مقام یمن میں سمندر کے کنارہ واقع ہے
ترفأ السفن علی مرحلة من عدن	یہاں کشتیاں لنگر انداز ہوتی ہیں، یہ عدن
ممایلی مکة حرسها الله تعالےٰ	کے اس علاقہ سے جو مکہ سے متصل ہو تقریباً
وقد ارسیت به مرارا و	ایک منزل کی مسافت پر واقع ہو، اس کشتی
اول ذلک کان ۶۰۵ھ[3]	سے یہاں بارہا آیا گیا ہوں اور پہلی مرتبہ

۶۰۵ھ میں

[1] ملاحظہ ہو العباب الزاخر (روٹوگراف) مادہ (کمس) نیز تاج العروس مادہ (کمس) [2] ایضاً ... (فرس) ... (فرس)
[3] ،، تاج العروس مادہ (مرک)

(الف) ان ہی ایام میں کچھ دنوں یمن میں صغانی کا قیام محدث محمد بن بطال کے ساتھ بھی رہا ہے، اور ایک نے دوسرے سے استفادہ کیا ہے،

محدث محمد بن احمد بطال الرکبی علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں یگانۂ عصر تھے، اور باہم کمال سے کسب کمال کیا تھا، ابن ابی مخرمہ نے تصریح کی ہے کہ ایک نے دوسرے سے کسب فیض کیا ہے، ان کے الفاظ ہیں

و اجتمع بہ الایام الحسن	یمن میں حسن بن محمد الصغانی اور
بن محمد الصغانی فاخذہ	محدث ابن بطال کا کچھ عرصہ ساتھ رہا ہے
کل منهما عن الآخر[1]	اور ایک نے دوسرے سے استفادہ کیا ہے،

(ب) بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ حج کے قرب کی وجہ سے صغانی یہاں سے مکہ معظمہ واپس چلے گئے اور حج ادا کرنے کے بعد ۶۰۶ھ میں پھر یمن ہوتے ہوئے ہندوستان آئے، اس مرتبہ حجاز سے آتے ہوئے جدہ میں عنبر مچھلی کی کھال کی جوتیاں بنوائی تھیں، چنانچہ العباب الزاخر میں فرماتے ہیں،

قال الصغانی مولف هذا الکتاب	اس کتاب کا مولف صغانی کہتا ہے کہ میں نے
رأیت اهل جدة منصرفی	۶۰۶ھ میں حجاز سے یمن جاتے وقت اہل جدہ
من الحجاز الی الیمن سنة ست	کو دیکھا تھا کہ وہ عنبر مچھلی کی کھال کی جوتیاں
وستمائة یحتذون احذیة	استعمال کرتے تھے، اس کی کھال کی جوتیاں
من جلد العنبر فتکون اقوی	نہایت مضبوط اور پائیدار ہوتی ہیں
وابقی وامتن وارص ما تحتذی	میں نے بھی اس کا بنا ہوا جوتا خریدا تھا،

(حاشیہ: جدہ ۶۰۶ھ [2])

[1] ملاحظہ ہو تاریخ ثغر عدن ترجمہ محمد بن احمد بطال الرکبی [2] ملاحظہ ہو العباب الزاخر مادہ (عنبر) نیز تاج العروس مادۂ مذکور، مگر تاج العروس میں اختصار ہے،

ہندوستان میں آمد اور یہاں کی سیاحت (ت) ۶۱۳ھ میں صغانی ہندوستان واپس تشریف لائے، اس سے پہلے جتنے عرصہ یہاں رہے معلوم ہوتا ہے انھیں ملازمت کی وجہ سے سیر و سیاحت کا زیادہ موقع نہ مل سکا، اس مرتبہ آپ نے کہیں مستقل قیام نہیں کیا اور غالباً سارا وقت سیر و سیاحت میں گذرا،

یہ زمانہ ہندوستان کی سیاحت کے لیے یوں بھی موزوں تھا کہ صغانی علوم میں اب پوری مہارت حاصل کر چکے تھے، طلبہ کی جماعت سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتی تھی، اسے پڑھاتے تھے اور سیاحت کرتے تھے، صغانی کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا، ابن ابی مخرمہ کا بیان ہے

کان جوابا للبلاد ملکوں، ملکوں سیر کرتے تھے،

صغانی خود ایک شعر میں فرماتے ہیں،

وکنت اسیر فی الآفاق من ملاء نفرق الدھر افراسی وارسانی

میں رفقاء کی ایک جماعت کیساتھ عالم کی سیر کرتا تھا، گردش دوراں نے آخر میری شہسواروں کو مجھ سے جدا کر دیا اور مجھے ایک جگہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہا کم سفر کرتے تھے، اور سفر و حضر میں رفقاء کی ایک جماعت ساتھ رہتی تھی، یہ وہ جماعت تھی جو صغانی سے کسب کمال کرتی تھی، اس سے انکی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے، اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اہل طلب انھیں سفر تک میں نہیں چھوڑتے تھے،

صغانی نے ہندوستان (دو آبہ گنگ و جمن، سندھ اور پنجاب) کی سیاحت اس طرح کی ہے کہ شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں سے ان کا گذر نہ ہوا ہو، یہی وجہ ہے کہ جن مقامات کے متعلق کوئی بات کہی ہے وہ حقیقت اور مشاہدہ پر مبنی ہے،

(ث) ابن عباد نے خلیل لغوی کے حوالہ سے المحیط میں اور ابن عزیر نے دیوان الادب و میدان العرب میں نقل کیا ہے کہ دُکْنُکْصُ[1] بروزن سَفَرجَل ہندوستان کا ایک دریا ہے،

---

[1] دکنکص معلوم ہوتا ہے کہ اہل فرنگ نے اسی لفظ کنکص سے Ganges بنایا ہے، اس لفظ میں چونکہ ایک نوع کا ثقل تھا، غالباً اسکے ازالہ اور تحسین صوت کی غرض سے اہل عرب نے ابتدا میں دال کا اضافہ کیا ہے،

اس پر بحث کرتے ہوئے صغانی العباب الزاخر میں لکھتے ہیں،

انی شرقت وغربت فی الهند	میں ہندوستان اور سندھ کے مشرق ومغرب
والسند نیفا واربعین سنة	میں تقریباً چالیس برس گھوما پھرا ہوں اور
وشاهدت اکثر انهارها	میں نے یہاں کے بیشتر دریاؤں کو دیکھا ہے
وبلغنی اسماء مالم اشاهد	اور جن کو میں نے نہیں دیکھا ہے، انکے ناموں
منها وهی تربی علی تسعمائة	کا مجھے علم ہے وہ نو سو سے اوپر دریا اور
نهر فلم ار هذا النهر ولم اسمع	نہریں ہیں، میں نے ڈنکلص نام کی کوئی نہر
به غیران لهم نهرا عظیما	نہ دیکھی ہے اور نہ سنی، سوائے اہل ہند کے
اذا زاد الماء یکون عرضه	اس بڑے دریا کے کہ جس کا پانی جب بڑھ
فرسخا واذا نقص یکون مثلی عرض	جاتا ہے تو اس کا عرض ایک فرسخ ہو جاتا ہے،
دجلة فی زیادة الماء وکفار	اور جب گھٹ جاتا ہے تو نہر دجلہ کے عرض
الهند یحجون الیه من اقطار	سے دوگنا رہ جاتا ہے، ہندوستان بھر کے
الهند فیتبرکون به ویحلقون	کافر اطراف ہند سے بہ نیت ثواب جاتے
عنده رؤسهم ولحاهم	ہیں اور اسے متبرک سمجھکر برکت حاصل
ویسترحون فیه موتاهم علی	کرتے ہیں۔ اس کے کنارے اپنی داڑھیاں
الرجاء تمحیص ذنوبهم	اور سر منڈاتے ہیں اور نخوتں پر اپنی میتوں
علی زعمهم من احرقوه من	کو رکھکر دریا برد کرتے ہیں اور ایسا
ماتاهم یذرون جممة	اس امید پر کرتے ہیں کہ ان کے اس عمل
ورماده فیه وهو من اشهر	سے ان کے گناہ دھل جاتے ہیں اور

انهار هم و اسمه كنك	ان میں جو لوگ اپنے مردے جلا دیتے ہیں
(العباب از اخیر بحوالہ تاج العروس .	وہ انکی کھوپریاں اور انکی راکھ لا کر دریا میں ڈالتے
مادہ (رقص)	ہیں، یہ انکا مشہور دریا ہے اور اسی کا نام گنگا ہے،

دیبل، سندھ کی مشہور بندرگاہ تھی، یہاں کے امراء کے متعلق صغانی کا بیان سننے کے قابل ہے فرماتے ہیں،

دیبل .... قصبة بلاد	دیبل[۱] ...... بلاد سندھ میں ایک قصبہ ہے
السند التی ترفاء الیها السفن	جہاں پر بندرگاہ واقع ہے، یہاں کشتیاں
قال الصاغانی اهلها صلحاء	لنگر انداز ہوتی ہیں، یہاں کے عام باشندے
وامراءها طلحاء قد یما وحدیثا	نیک طینت ہیں، مگر قدیم امراء اور حکام ہی
یشارکون قطاع طریق سفن	نہیں بلکہ حال کے امراء اور حکام بھی بد طینت ہیں،
البحر ویضربون معهم بسهم	قزاقان بحری کیشارہ در رسم رکھتے ہیں اور لوٹ
(تاج العروس مادہ "دبل")	کے مال میں اپنا حصہ بھی لیتے ہیں،

حدیثاً کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ دیبل ۶۴۹ھ تک آباد تھا،

---

[۱] فتح سندھ کے اسباب میں ایک بڑا سبب اہل دیبل کی یہی بحری قزاقی کی دیرینہ عادت بھی تھی، یہ تاریخ سندھ کا مشہور واقعہ ہے کہ یہاں کے بحری قزاقوں نے خلیفہ عبد الملک کے عہد خلافت میں حاجیوں کے جہاز پر ڈاکہ مارکر قبیلہ یربوع کی بیوہ عورت کا بھی مال لوٹ لیا اور اس نے بے اختیار حجاج کو مدد کے لیے پکارا، جب اس واقعہ کی خبر اس کو ہوئی تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گیا اور جوش میں آکر کہہ اٹھا کہ "میں آیا"

یہی واقعہ آخر فتح سندھ کی تاریخی یادگار بنا (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو فتوح البلدان از ابو الحسن البلاذری مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء، نیز چچنامہ مولفہ علی بن حامد الکوفی، مطبع لطیفی دہلی ۱۹۳۹ء)

اسی سیر و سیاحت کا نتیجہ تھا کہ صغانی کو خصوصیت سے ہندوستان کے متعلق اپنی معلومات پر فخر تھا، چنانچہ العباب لزاخر میں جہاں کہیں ہندوستان کے متعلق کوئی بات کہی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے، ایک موقعہ پر رقمطراز ہیں :

قال الليث رهطة ركايا	امام لغت لیث کا بیان ہو کہ رهطة
بالهند معربة يستقي منها	یہ لفظ معرب ہے اور ہندوستان کے
بالثيران قال الصاغاني	ایسے کنوؤں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے
اما ارض الهند فانا	جن سے پانی بیلوں کے ذریعہ کھینچا جاتا ہے،
ابن بجدتها وطلاع انجد[تها]	صغانی کہتا ہے: سرزمین ہند سے تو
وليت بها هذه الركايا	میں خوب واقف اور اسکی پست و بالا
وانما الدولاب يسمى	زمینوں سے اچھی طرح باخبر ہوں .
بالهند ارهت فسمع بعض	ہندوستان میں رہٹ کنوؤں کو نہیں
السفر المستعربين المترددين	کہتے ہیں بلکہ دولاب کا نام ہے اور اسکو
الى تلك البلاد يقولون	ہندی رہٹ بولتے ہیں بعض ایسے مسافروں
ارهت فقال ارهط	نے جو عرب میں باہر سے آکر آباد ہوئے تھے
بالطاء فغيرها ليس	اور یہاں بھی گھوم پھر گئے انھوں نے یہ
في كلامهم طاء ولا ينبئك	کلمہ اہل ہند سے سنا تو انھوں نے رہط کہا
مثل خبير[1]	اور انھوں نے ٹ کو ط سے بدل لیا کیونکہ
	اہل ہند کے یہاں طاء نہیں ہے، کوئی

[1] ملاحظہ ہو تاج العروس مادہ رهط

جن پرانے مورخین سے ہندوستان یا سندھ کے متعلق ان کی کتابوں میں غلط معلومات درج ہوگئی ہیں تو صغانی نے موقعہ بموقعہ اس کی تصحیح کردی ہے، چنانچہ مورخ ابوالحسن البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ نے کتاب البلدان میں لکھا ہے کہ بیلمان ہندوستان یا سندھ میں کوئی مقام ہے، اسی کی طرف سیوف بیلمانیہ منسوب ہیں۔ صغانی مجمع البحرین میں لکھتے ہیں:

قال البلاذری فی الکتاب	بلاذری نے کتاب البلدان میں لکھا ہے
البلدان بیلمان بالسند	کہ بیلمان، ہندوستان یا سندھ میں
او الھند والیہ ینسب	کوئی جگہ ہے اور اسی کی طرف بیلمانی تلواریں
السیوف البیلمانیہ قال	منسوب ہیں، اس کتاب کا مولف صغانی
الصغانی مؤلف ھذا الکتاب	کہتا ہے ہندوستان اور سندھ میں
لا اعرف بالسند ولا بالھند	کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جو بیلمان کے
موضعا یقال لہ بیلمان[1]	نام سے مشہور ہو،

یہاں کم و بیش تین برس سیر و سیاحت میں گذارے پھر صغانی حج کے لیے روانہ ہوئے ۶۱۱ھ میں حج ادا کیا اور مکہ معظمہ سے عدن آگئے۔ (باقی)

---

[1] ملاحظہ ہو مجمع البحرین، روٹوگراف، سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کراچی، مادہ "بلم" معلوم ہوتا ہے سید مرتضیٰ زبیدی کو مجمع البحرین کا یہ حصہ نہیں ملا تھا، اس لیے تاج العروس میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

امام لغت حسن بن محمد الصغانی اللاہوری

از

مولانا عبدالحلیم چشتی فاضل دیوبند

(۴)

عدن میں قیام صغانیؒ جب عدن میں آئے تو مسجد ابن البصری میں قیام فرمایا، ان کے پاس چونکہ اسی وقت طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ اس لئے آپ درس و تدریس کی غرض سے مسجد میں قیام کرتے تھے، ابن بامخرمہ نے مورخ جندی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ صغانیؒ جب عدن میں آتے تھے تو مسجد ابن البصری میں قیام کرتے تھے، لکھتے ہیں،

قال الجندی وکان دقوفه فی	مورخ جندی کا بیان ہے صغانی کا
عدن فی المسجد الذی یعرف	قیام اس مسجد میں ہوتا تھا جو مسجد ابن البصری
بمسجد ابن البصری احد [تجار]	کے نام سے مشہور ہے۔ ابن البصری
عدن ولیس هو الذی اسسه	عدن کے سوداگروں میں سے تھے۔
وانما کان یقوم به ویصلح	یہ اس مسجد کے بانی نہ تھے۔ بلکہ اس کی مرمت
ما تشعث منه وکان الذی	اور دیکھ بھال کرتے تھے، یہ مسجد وزیر یاسر
اسسه الشیخ الوزیر یاسر بن	ابن بلال محمدی نے بنوائی تھی

لہ تاریخ ثغر عدن ج ۲ ص ۵۲

صغانی جب یہاں آئے تو اپنے ساتھ پورا کتب خانہ لیکر آئے تھے، ان کے پاس نقد روپیہ بھی کافی تھا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی امیر کبیر شاگرد نے نذر کیا ہوگا۔ عدن کے دوران قیام کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے۔

ابو الربیع سلیمان بن الفقیہ
بطال محمد بن احمد بن محمد بن
سلیمان ابن بطال الرکبی
کان فقیها ادیبا عالما فاغلب
علیه العلم والحدیث
والادب وغالب اخذه
عن ابیه وعن الامام الصغانی
مقدم الذکر ان الصغانی
لما دخل عدن کتب الیه یستحثه
علی الوصول الیه وقد کانت
بینهما الفة ایام وقوفه
عند الفقیه بطال بسبب
القراءة وکان یعجبه ما یری
فیه النجابة والشهامة فقال
له صلنی معجلا ولا یصحبك
غیر زاد الطریق فعندی

ابو الربیع سلیمان بن الفقیہ بطال محمد بن
احمد ...... الرکبی بڑے فقیہ،
نہایت دیندار اور عارف کامل تھے۔
ان پر علم حدیث، ادب اور علم دین کا غلبہ
تھا، علوم کی تحصیل بیشتر اپنے والد اور
امام صغانی (جن کا تذکرہ گزر چکا ہے) سے
کی تھی، صغانی جب عدن آئے تھے تو
انھیں ایک خط لکھا تھا جس میں ملنے کی
تاکید کی تھی، ان میں باہم دوستی و محبت
اسی وقت سے قائم ہو گئی تھی جب صغانی
کا قیام ان کے والد کے یہاں تھا اور یہ
اس وقت پڑھتے تھے، ان کی شرافت،
ذکاوت اور تندہی نے صغانی کو حیرت
میں ڈال رکھا تھا، صغانی نے اپنے
مکتوب میں لکھا تھا کہ جلد آکر مجھ سے
ملو اور زاد راہ کے سوا اپنے ساتھ کچھ نہ لو

عشرة احمال من الورق
دالورق فلما وقف على كتابه
بادر ونزل فلما دخل عدن
واقام عند الفقيه الصغانی
كان الناس يصلون المسجد
يتعجبون من حسنه زمراً
زمراً ليس غرضهم الا
التعجب من حسنه وجماله
وكان النساء يصلين ليلا
يظهرون ان غرضهم
زيارة الامام الصغانی فلما
كثر ذلك منهم واشتهر امر
والی عدن يومئذ بحبسه
خشية الفتنة فلما صار فی
الحبس كان يكتب حروف
ابجد مقطعة ويأمر بكل
ورقة تباع فيشتروا منه
اولاد التجار كل رقعة
بخمسة دنانير يتحرزون

کیونکہ میرے روپیے پیسے اور کتابوں کا
وزن دس اونٹ سے کم نہیں ہے جونہی
ابو الربیع کو یہ خط ملا وہ فوراً روانہ ہو گئے اور
عدن آکر دم لیا، عدن میں صغانی کے پاس
آکر قیام کیا، ان کی آمد کے بعد لوگ جوق
در جوق اس مسجد میں آتے اور ان کے حسن
و جمال کو دیکھکر حیرت میں پڑ جاتے ان لوگوں
کے آنے کی غرض صرف ان کے حسن خدا
داد کو دیکھنا تھا، عورتیں بھی رات کو آتی
تھیں، اور ظاہر کرتی تھیں کہ انکا مقصد
امام صغانی رحمہ کی زیارت ہے جب یہ آمد و رفت
بہت بڑھ گئی اور اس کا چرچا ہونے لگا تو
حاکم عدن نے ان کو فتنہ کے خوف سے
قید کرنے کا حکم صادر کر دیا، انھوں نے
جیل میں ابجد کے حروف مقطعات کو
لکھنا شروع کیا جب ایک ورق ہو جاتا
تو باہر بیچنے کے لیے بھیجدیا کرتے تھے
سوداگروں کے لڑکے ہر دصلی پانچ دینار
میں خرید لیتے تھے، اور آپ اسی کی

علیها فکان یستعین بذالک	آمدنی پر بسر کرتے تھے، جب صغانی نے
علی امره فلما عزم الصغانی	عدن سے نکلنے کا ارادہ کیا تو حاکم عدن
علی الخروج من عدن	نے انھیں بھی چھوڑ دیا، چنانچہ دونوں
اخرجه الوالی فخرجا جامعاً[۱]	عدن سے ایک ہی ساتھ نکلے۔

عدن کے قیام کے زمانہ میں یہاں کے علماء اور فضلاء نے آپ سے حدیث وغیرہ کی تحصیل کی تھی، ابن ابی مخرمہ لکھتے ہیں۔

قدم الیمن مراراً فاقام فی	صغانی بارہا یمن آئے اور عدن میں ٹھہرے
عدن فقصده جمع من الفضلاء	علماء فضلاء کی ایک بڑی جماعت نے
العلماء واخذوا عنه	حاضر خدمت ہوکر علوم کی تحصیل کی۔

یہاں صغانی امام خطابی کی معالم السنن کو درس دیتے تھے جو ان کی نہایت پسندیدہ کتاب تھی، یاقوت رومی کا بیان ہے۔

کان یقرأ علیه بعدن معالم	عدن میں معالم السنن کا درس دیتے
السنن للخطابی وکان معجباً	تھے، وہ اس کے مولف اور اس کے
بهذا الکتاب وبکلام مصنفه	مباحث علمیہ کو بہت پسند کرتے تھے،
ویقول ان الخطابی جمع	اور فرمایا کرتے تھے کہ خطابی نے اس
لهذا الکتاب جرامیزه[۲]	کتاب میں دریا کو کوزے میں بند کیا ہے۔

درس و تدریس کے بعد جو وقت ملتا تھا، اس میں صحیح بخاری کی نقل کرتے تھے، چنانچہ

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ ثغر عدن جلد ۲ ترجمہ سلیمان بن بطال۔ [۲] ملاحظہ ہو معجم الادباء طبع مطبعہ ہندیہ مصر ۱۹۲۷ء جلد ۳ صفحہ ۲۱۸۔

کئی نسخے لکھکر یہاں وقف کئے تھے، ابن ابی مخرمہ تحریر فرماتے ہیں۔

كتب بيده نسخ من صحيح البخاري — صغانیؒ نے اپنے ہاتھ سے صحیح بخاری کے
واوقفها[1] — نسخے کئے اور انھیں وقف کر دیا،

عدن سے صغانیؒ یمن آئے یہاں بھی ان کے علم و فضل کا بازار گرم رہا، یاقوت حموی، ارشاد الاریب میں رقمطراز ہیں۔

دخل اليمن نفق بها سوق — جب یمن آئے تو یہاں بھی ان کے علم کی بڑی گرم بازاری رہی۔

عدن میں صغانیؒ کا قیام دو ڈھائی سال رہا تھا، ۶۱۳ھ میں یمن سے مکہ معظمہ حج کرنے چلے گئے اسی سال حج کے موقع پر یاقوت رومی سے آپکی ملاقات ہوئی تھی، جس کا یاقوت نے ارشاد الاریب میں تذکرہ کیا ہے، لکھتے ہیں

في سنة ٦١٣ كان بمكة وقد — ۶۱۳ھ میں صغانی مکہ میں تھے، اور یمن
رجع من اليمن واخر العهد به[2] — واپس آئے تھے ان سے یہ آخری ملاقات تھی۔

مکہ سے مراجعت ۶۱۳ھ میں صغانی حج و زیارت سے فراغت کے بعد ہندوستان واپس آگئے، اور دو برس تک یہیں رہے، مگر یہ معلوم ہو سکا کہ اس دوران میں کیا شغل رہا اور کہاں کہاں رہے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ درس و تدریس کا شغل یہاں بھی جاری رہا ہوگا

۶۱۵ھ میں صغانیؒ نے پھر حج کی نیت سے رخت سفر باندھا، اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے بیان کے مطابق حج کے بعد مکہ معظمہ سے خلافت اسلامیہ کے مرکز بغداد کا ارادہ فرمایا ۶۱۵ھ میں بغداد پہنچے، یہ بغداد میں ان کی پہلی آمد تھی۔ العباب آخر میں فرماتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ ثغر عدن ج ۲ ص ۵۰ [2] ملاحظہ ہو الارشاد الاریب ج ۲ ص ۲۱۰

قال الصاغانی قدمت	صغانی کہتا ہے کہ میں بغداد میں پہلی
بغداد سنة ٦١٥ وهی اول	مرتبہ ۶۱۵ھ میں آیا تھا۔
قدمتی الیها[1]	

مورخ ذہبی نے بھی تاریخ اسلام میں ان کی بغداد میں آمد کا سال ۶۱۵ھ نقل کیا ہے[2]۔

بغداد صدیوں سے علم و ہنر کی نمایش گاہ بنا ہوا تھا، محدثین، فقہار اور ادباء کا بہت بڑا مرکز تھا، بعض محدثین صغانی سے بھی زیادہ عالی اسناد کے حامل تھے، لیکن ...... ان سے بڑے حافظ حدیث نہ تھے، صغانی العباب الزاخر میں رقمطراز ہیں۔

قال الصاغانی قد سمعت	صغانی کہتا ہے میں نے چار سو سے زیادہ
من الاحادیث المسلسلة	مسلسلہ حدیثیں ہندوستان، مکہ معظمہ میں
بمكة حرسها الله تعالی	اور بغداد میں سنی ہیں، مجھے معلوم نہیں
والهند والیمن وبغداد	کہ کسی کو اتنی مسلسلات یاد ہوں۔
ماینیف علی اربعمائة حدیث	. . . .
ولم یبلغنی ان احدا اجتمع	. . . .
هذا القدر من المسلسلات	. . . .
الحمد لله حمدا دائما ابدا	تمام تعریفیں ابد تک اللہ تعالیٰ ہی کیلئے
اعطانی الله مالم یعطه احد	ہیں جس نے مجھے وہ کچھ عطا کیا ہے جو اور کسی کو عطا نہیں کیا۔

اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ صغانی نے بغداد میں بعض محدثین سے مسلسلات کا

---

[1] العباب الزاخر بحوالہ تاج العروس مادہ (ذرط) [2] تاریخ الاسلام ترجمہ حسن بن محمد الصغانی

سماع کیا تھا، باقاعدہ حدیث نہین پڑھی تھی، ذہبی نے تاریخ الاسلام مین جو یہ لکھا ہے سمع ......
ببغداد من ابی منصور سعید بن محمد بن الرزاز اس سے مراد مسلسلات ہی کا
سماع ہے، فن حدیث کی تحصیل نہین ہے۔

بغداد مین بھی صغانی کے قدر شناسون کی کمی نہ تھی۔ چنانچہ ان کی حدیث دانی اور اہل علم کی قدرشناسی نے صغانی کو خلیفۂ بغداد المستنصر باللہ تک پہنچا دیا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ جب صغانی بغداد پہنچے، وہاں کسی درس حدیث کی مجلس میں گئے تو دیکھا کہ ایک محدث حدیثیں بیان کر رہا ہے اور لوگ اسے لکھ رہے ہیں، آپ بھی وہیں بیٹھ گئے، اس وقت وہ یہ حدیث بیان کر رہا تھا کہ جب موذن اذان کہے تو سامعین کو چاہیے کہ اذان میں اس کی موافقت کریں، حدیث کا آغاز ان الفاظ سے کیا تھا: اذا اسکب المؤذن، سکوب کے معنی ڈالنے کے ہیں۔ صغانی نے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے کہا، حدیث میں اذا سکت المؤذن ہے، آناً فاناً یہ بات محدث صاحب کے کانوں تک پہنچ گئی، انھوں نے پوچھا یہ کس نے کہا، صغانی بولے، میں نے، انھوں نے کہا دونوں جملے بامعنی ہیں، جب مجلس ختم ہوگئی تو کتابوں کی طرف رجوع کیا گیا، اس میں دونوں طرح موجود تھا لیکن اذا سکت المؤذن کی بابت لکھا تھا کہ زیادہ صحیح ہے۔

اس واقعہ کی خبر جب خلیفۂ وقت کو ہوئی تو اس نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور آپ سے حدیث پڑھکر سند لی، فوائد الفواد میں یہ واقعہ اس طرح سے منقول ہے:

> بعد ازاں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ کار او بیک حدیث پیش نہ رفت ......
> الغرض چون بحج رفت و از آنجا بہ بغداد آمد، در بغداد عالمے بود محدث بس بزرگ اورا ابن زہری گفتندے، برائے او منبرے کردہ بودند او برآنجا برآمدے و حدیث بیان کردے و علمائے در مجلس او حاضر شدندے، و گرد برگرد او حلقہ کردندے آنہا کہ

اہل تر بودندے، پیش او بودندے و آنہا کہ از ایشان کمتر در حلقہ دوم، دیگراں در حلقہ دیگر، ہمچنیں تو بر تو نشستندے او حدیث املا کردے، و ایشاں می نشستندے تا مولانا رضی الدین، روزے در آں مجمع در آمد و در حلقہ کہ دور تر بود بنشست، ابن زہری حدیثے بیان می کرد، در باب موافقت نمودن با موذن تا چناں کہ موذن می گوید مستمع را می باید کہ ہمچناں بگوید آغاز حدیث بریں لفظ کرد اذا سکب الموذن، سکوب ریختن است یعنی چوں سخن موذن در گوش شما برسد شما ہمچناں بگوئید کہ او می گوید چوں ابن زہری ایں حدیث بگفت مولانا رضی الدین در مقامے کہ نشستہ بود آہستہ با دیگراں گفت کہ اذا سکت الموذن یعنی چوں موذن کلمہ بگوید و ساکت شود بر آں گفتہ باید کرد آنکہ ایں سخن بشنید با دیگرے گفت و او با دیگرے تا ایں سخن بسمع ابن زہری رسید، آواز داد کہ آں کیست کہ ایں سخن بگفت مولانا رضی الدین گفت کہ من گفتم بعد ازاں ابن زہری گفت کہ ہر دو سخن معنی دارد بکتاب رجوع کردند ہر دو سخن موجہ بود، چوں از آں مجلس برخاستند در کتب باز دیدہ ہر دو سخن موجہ نبشتہ بودند و اذا سکت اصح، ایں خبر بخلیفہ رسید مولانا رضی الدین را پیش بردند خلیفہ او را اعزاز کرد و چیزے پیش او بخواند۔"

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان میں محدث ابن زہری کا ذکر تاریخی اعتبار سے محل نظر ہے، جس زمانہ میں صغانی کا بغداد میں ورود ہوا ہے اس دور میں ہمیں اس نام کا کوئی محدث تاریخ و سیر کی کتاب میں نہیں ملتا، ابن زہری کے نام سے جن محدثین کا تذکرہ تاریخ و رجال کی کتابوں میں ہے، ان کی ولادت صغانی کی وفات کے بعد ہے۔ ہمارا خیال میں یہاں نقل میں تصحیف ہو گئی ہے۔

ابن زہری دراصل ابن جوزی ہے، اس میں غالباً ج کا شوشہ واؤ میں مدغم ہوگیا اور ز کا نقطہ ہ کی شکل اختیار کرگیا، اس طرح ابن زہری پڑھا گیا۔

جن کتابوں میں اس دور کے علماء کا تذکرہ تھا، افسوس ہے کہ وہ کتابیں دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں، صرف یہی نہیں بلکہ اس دور کے محدثین اور علماء کے بہت سے ناموں میں بھی تصحیف ہوئی ہے، چنانچہ سید ناجی معروف نے ایسے متعدد نام گنائے ہیں، ہم بھی قارئین کی توجہ کے لئے ذیل میں درج کرتے ہیں، جس سے یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ ناموں میں کس کس طرح سے تصحیف ہو جاتی ہے، سعید ناجی معروف لکھتے ہیں

لقد اصاب التحریف والتصحیف	مدرسہ مستنصریہ کے علماء کی کنیتوں لقبوں
من اسماء رجالها والقابهم	اور ناموں میں جزئی اور کلی ہر طرح کی تحریف
اوکناهم کلها او بعضها فکان	اور تبدیلی ہوئی ہے، ان علماء کے ناموں
لا بد للباحث من الوصول	سے بحث کرنے والے کے لیے ناموں
الی اشکالها الصحیحة	کی صحیح اور اصلی شکلوں تک پہنچنا ضروری
بالرجوع الی المظان المختلفة	ہے اور یہ تراجم و رجال کی مختلف کتابوں
لیخرج بصورة صحیحة عن	سے رجوع کرنے کے بعد ہی اس مدرسہ کے
هذه المدرسة بقدر الامکان	علماء کے ناموں کی صحیح شکلوں سے واقفیت ممکن ہے،
فان ابن الطبال احد شیوخ	دیکھو ابن الطبال جو اس مدرسہ کے شیوخ
الحدیث ..... یذکر بصورة	حدیث میں سے تھے ان کا نام کبھی بطال
البطال مرة والطفال حینا	کی صورت میں اور کبھی طفال کی شکل
الطحال حینا اخر وابن	میں اور کبھی طحال کی صورت میں ذکر کیا جاتا ہے

الفویرۃ شیخ دار الحدیث	اسی طرح سے ابن الفویرہ جو مدرسہ مستنصر
بالمستنصریۃ یذکر علی صورۃ	کے شیخ الحدیث تھے، ان کا نام بھی کبھی
الغویرۃ والعویدۃ والقویزۃ	غویرہ اور کبھی عویدہ اور کبھی قویزہ کی
تارۃ اخری وابن ایاز قد	شکل میں مذکور ہے اور اسی طرح ابن ایاز
تحول الی سدایاز[1]	کو سرایاز کر دیا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ ابن زہری اصل میں ابن جوزی ہے یہ وہ ضیح رہے، یہ ابو الفرج عبد الر
ابن الجوزی نہیں ہیں جو عام طور پر مشہور ہیں بلکہ ان کے فرزند ابو المحاسن محی الدین یوسف بن
الفرج عبد الرحمن التیمی البکری، الحنبلی البغدادی ہیں، جو استاد دار مستعصم باللہ اور ا
کے نام سے بھی مشہور تھے، مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں

محی الدین یوسف وکان انجب	محی الدین یوسف، عبد الرحمن الجوزی کے
اولادہ واصغرھم ولد سنۃ	سب سے چھوٹے اور لائق فرزند تھے
ثمانین ووعظ بعد ابیہ واشتغل	۵۸۰ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد کے
وحرر واتقن وساد اقرانہ	بعد وعظ کہتے تھے، انھوں نے علوم
ثم باشر حسبۃ بغداد ثم	کی تحصیل کی اور بڑے اچھے ادیب او
صار رسول الخلفاء الی	متقن عالم ہوئے، اپنے معصروں میں
الملوک باطراف البلاد	سب سے فائق تھے، بغداد میں احتس
ولاسیما الی بنی ایوب بالشام	کے عہدہ پر فائز ہو گئے تھے ان کو
وقد حصل منھم من الاموال	بادشاہوں کے پاس سفیر بنا کر اسلامی

[1] مجلۃ کلیۃ الآداب العلوم شمارہ نمبر ۳ ۱۹۵۸ء مضمون بعنوان مقدمۃ فی تاریخ المستنصریۃ وعلمائہ

واكرامات ما ابتغى، من ذلك بناء المدرسة الجوزية التي بالنشابين بدمشق ثم صار استاذ دار الخليفة المستعصم في سنة اربعين وستمائة واستمر مباشرها الى ان قتل مع الخليفة عام هالاكو من تولي بن چنكيز خان[۱]

بھیجا گیا خاص طور سے شام میں شاہان بنی ایوب کی طرف، اور ان سے انکو بڑے تحفے اور دولت ملی جس سے انھوں نے دمشق میں نشابین میں مدرسہ جوزیہ بنوایا اور ۶۴۰ھ میں خلیفہ مستعصم باللہ کے شاہی خاندان کے اتالیق مقرر ہوئے اور اسی خدمت پر مامور رہے تا آنکہ خلیفہ کے ساتھ ہی ہلاکو خان کے حملۂ بغداد میں شہید ہو گئے

جس سال صغانی کا بغداد میں ورود ہوا اسی سال موصوف کو انکے احتساب کا محکمہ ... سپرد
گر ان کے معمولات میں کوئی فرق نہ آیا، درس وتدریس اور وعظ وتقریر کا سلسلہ برابر جاری رہا
کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ۶۱۵ھ کے واقعات میں اس کا ذکر کیا ہے اور ۶۲۳ھ کے واقعات
اس کی تصریح کی ہے کہ ۶۳۲ھ میں مدرسہ مستنصریہ میں فقہ کی تعلیم کے لئے آپ کا تقرر عمل
میں آیا تھا، اسی تذکرہ میں ان کے قلم سے یہ بھی نکل گیا ہے

وكانت له مدارس اخر — وہ اور درسگاہوں میں بھی پڑھاتے تھے،

مورخ ابن العماد الحنبلی المتوفی ۱۰۸۹ھ، شذرات الذہب میں لکھتے ہیں

وعلا امره وعظم شانه — شیخ موصوف کو بڑے اختیارات حاصل تھے

وولي الولايات الجليلة ثم عزل [illegible] نہایت بلند تھا، اور بڑے بڑے

[۱] ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ بحوالہ الدارس فی المدارس تالیف عبد القادر النعیمی المتوفی ۹۲۷ھ مطبوعہ دمشق ۱۳۶۷ھ ج ۲ ذکر مدارس حنابلہ

عن جمیع ذلک وانقطع فی دارہ یعظ ویفتی ویدرس ثم اعید الی الحسبۃ[1]

عہدوں پر فائز تھے، پھر آپ کو ان عہدوں سے معزول کر دیا گیا اور آپ نے اپنے مکان میں درس و تدریس اور وعظ و تقریر کا سلسلہ شروع کر دیا، پھر ۶۱۵ھ میں آپ کا تقرر احتساب کے عہدہ ...

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احتساب کے عہدہ پر تقرر سے قبل آپ کے گھر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا، غالباً مذکورۂ بالا واقعہ انہی کی مجلس میں پیش آیا ہے،

ابن کثیر کے مذکورۂ بالا جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ درس و تدریس کا شغل برابر جاری رہا اور یہ درس بغداد میں کسی جگہ ہوتا تھا، اس لیے بہت ممکن ہے کہ مذکورۂ بالا واقعہ ان ہی کی مجلس درس میں پیش آیا ہو، اور انھوں نے خلیفۂ وقت سے صغانی کا تعارف کرایا ہو، کیونکہ وہ بلند پایہ محدث، فقیہ، ادیب، اچھے شاعر اور اہل علم کے بڑے قدر دان تھے، اس لیے کچھ بعید نہیں کہ آپ نے صغانی کے فضل و کمال سے متاثر ہو کر ان کا خلیفہ سے تعارف کرایا ہو،

محی الدین یوسف ابن جوزی (جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا) جیسے بلند پایہ محدث کی مجلس درس میں ایسا واقعہ پیش آنا چنداں مستبعد نہیں، کیونکہ اس زمانہ میں علوم کا ذخیرہ محدثین اور علماء کے حافظہ یا ان کی امالی میں محفوظ ہوتا تھا، استاد وقت جو کچھ پڑھاتا یا املا کراتا وہ اکثر و بیشتر زبانی کراتا تھا، مذکورۂ بالا واقعہ بھی اسی قسم کا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب اصل کتاب کی طرف رجوع کیا گیا تو صغانی کے قول کے راجح اور صحیح ہونے کا ثبوت کتاب کے اندر ہی مل گیا اور انھیں صغانی کے حافظہ اور ژرف نگاہی کا قائل ہونا پڑا،

---

[1] ملاحظہ ہو شذرات الذہب، مکتبہ القدسی مصر ۱۳۵۱ھ ج ۵ ص ۲۸۷

مقالات

امام لغت حسن بن محمد الصّغانی اللاہوری

از
مولانا عبد الحلیم چشتی فاضل دیوبند

(۵)

علمائے بغداد اور صغانی | بغداد میں گو اہل علم اور محدثین کی کمی نہ تھی، مگر ایسے محدثین اور علماء جو فن حدیث اور لغت میں مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہوں بہت کم تھے، معلوم ہوتا ہے جب صغانی کا ورود بغداد میں ہوا اور ان کے علم و فضل کا شہرہ اہل علم نے سنا تو بعض محدثین نے کچھ ایسی باتیں بھی آکر ان سے دریافت کیں جن میں متقدمین محدثین میں بھی باہم اختلاف تھا، انہی میں سے ایک لفظ قراریط بھی ہے، یہ لفظ قراط اور قیراط کی جمع ہے، جو دینار کا ۱/۲۰ حصہ ہے[۱]، بغداد میں جو محدث حافظ الحدیث کے لقب سے مشہور تھے، انھوں نے اس لفظ کے متعلق ایک غیر محقق قول (کہ قراریط

---

[۱] واضح رہے کہ صغانی نے قراریط کے ایک معنی دانۂ تمرہندی کے لکھے ہیں، چنانچہ مجمع البحرین (مادہ قرط) میں رقمطراز ہیں:

القارط ویقال القراریط حب الحمص وهو	قارط اور اسکو قراریط بھی کہتے ہیں یہ جھاڑی کا دانہ ہے
التمر الهندی قرأته فی شرح شعر	اور یہی تمرہندی ہے، یہ لفظ میں نے حضرت حسان رض
حسان ابن ثابت	ابن ثابت کے ایک شعر کی شرح میں پڑھا ہے،

کہ منظرہ میں ایک جگہ کا نام ہے جو تاریخ سے ثابت نہیں ہے) کو قول محقق سمجھ رکھا تھا، اور یہی اپنے شاگردوں کو بھی باور کرایا تھا، صغانی نے ان کے اس خیال کو قطعی غلط قرار دیا، مگر انھوں نے غالباً اپنے شیخ کی ہتک کی وجہ سے اس قول کے قبول کرنے سے انکار کیا، جیسا کہ سید مرتضیٰ زبیدی الفباجے حوالہ سے تاج العروس میں ناقل ہیں،

قال الصاغانی قدمت بغداد	صاغانی کا بیان ہے کہ ۶۱۵ھ میں جب
سنة ۶۱۵ وهی اول قدمتی	بغداد میں آیا اور یہ میری پہلی آمد تھی تو بعض
الیها فسألنی بعض المحدثین	محدثین نے مجھ سے قراریط کے معنی پوچھے
عن معنی القراریط فی هذا الحدیث	جو اس حدیث میں وارد ہے کہ (حضرت ابوہریرہؓ
عن ابی هریرة عن النبی صلی الله	حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے
علیه وسلم قال ما بعث الله نبیا	فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے
الا رعی الغنم فقال اصحابه	بکریاں نہ چرائی ہوں تو صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے
وانت؟ فقال نعم کنت ارعاها	بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں میں بھی
علی قراریط لاهل مکة	کچھ قیراطوں کے عوض مکہ والوں کی بکریاں
(الجامع الصحیح، مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۵۲ھ	چرایا کرتا تھا) میں نے کہا کہ اس سے مراد
ج ۱ ص ۳۰۱) فقلت المراد به	حساب کے قراریط ہیں، اس (سائل) نے کہا
قراریط الحساب فقال سمعنا	ہم نے فلاں حافظ الحدیث کو کہتے ہوئے

[1] سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس (مادہ صغن) میں علامہ ذہبی کے حوالہ سے صغانی کی بغداد میں آمد کا سال ۵۹۵ھ نقل کیا ہے، لیکن یہ تاریخ الاسلام میں شمس الدین الذہبی کے بھی نقل کردہ سنہ کے خلاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تصحیف ہوگئی ہے۔

الحافظ الغلانی یقول ان القراریط	سنا ہے کہ قراریط پہاڑ یا کسی جگہ کا نام ہے
اسم جبل او موضع فانکرت	میں نے اس کا نہایت سختی سے انکار کیا
کل الانکار وهو مصر علی ماقال	مگر اس نے جو کہا تھا اس پر اصرار کرتا رہا
کل الاصرار اعاذنا الله	اللہ تعالیٰ ہمیں غلطی، خطاء، لغزش
من الخطاء والخطل والتصحیف	اور تحریف سے بچائے۔
والزلل[1]	

صغانی نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کیا دلائل پیش کیے، ان کا ذکر انھوں نے گو اس موقعہ پر نہیں کیا، لیکن ظاہر ہے کہ انھوں نے جن کتابوں کو سامنے رکھکر ان کتابوں کو مرتب کیا ہے (جن کا تذکرہ انشاء اللہ تالیفات اور تصانیف کے عنوان میں آئے گا۔ جن کا بیشتر حصہ بغداد کی تباہی میں ضائع ہو گیا اور محققین کو پھر ان کا دیکھنا بھی نصیب نہ ہو سکا) ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صغانی کی تحقیق صحیح ہو گی یہی وجہ ہے کہ انھوں نے لغت کی کتابوں کے آخر میں لکھا ہے کہ اصول اور امہات الکتب کی طرف مراجعت کے بغیر یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ کوئی ضعیف اور کمزور قول ان کتابوں میں نقل کر دیا گیا، مجمع البحرین کے آخر میں رقمطراز ہیں:

فمن رابه شئ معانی هذا	جسے ان الفاظ میں جو اس کتاب میں درج
الکتاب فلا یتسارع الی القدح	ہیں کوئی شک وشبہ ہو تو اسکو جرح وقدح
والتزییف والنسبة الی	کرنے اور تصحیف وتحریف کی طرف نسبت
التصحیف والتحریف حتی یعاود	کرنے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے جب تک
الاصول التی استخرجته	کہ وہ ان اصولی کتابوں کو نہ ٹٹول لے

[1] ملاحظہ ہو العباب الزاخر بحوالہ تاج العروس (مادہ قرط)

منها والماخذ التی علی ثلث	جن سے میں نے ان الفاظ کو لیا ہے اور
الاصول وانها تربی علی	ان ماخذوں کو نہ دیکھ لے جن سے میں نے ان الفاظ
الف مصنف[۱]	کو مرتب کیا ہے اور وہ ایک ہزار سے زیادہ ہیں۔

صغانی کے مذکورۂ بالا قول کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ بعد کے نامور محققین اور محدثین نے اس قول کو اختیار نہیں کیا جس کو صغانی نے غلط قرار دیا ہے، اور انھوں نے مخالفین کے دعویٰ کے ثبوت میں جو دلائل نقل کیے ہیں ان کا معقول جواب دیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث پر مختصر اور جامع کلام کیا ہے، ہم اس کو یہاں اس لیے نقل کرتے ہیں کہ اس میں مخالفین کے دلائل اور ان کا جواب ہے جس سے اس بحث کی اصل حقیقت ناظرین کے سامنے واضح ہو جائے گی، موصوف تحریر فرماتے ہیں:

قوله علی قراریط اهل مکة فی روایة	بخاری کی روایت میں علی قراریط لاهل مکة
ابن ماجة عن سوید بن سعید	کے الفاظ ہیں اور سنن ابن ماجہ میں سوید بن
عن عمرو بن یحیی کنت ارعاها	سعید عن عمرو بن یحیی (جو ابن ماجہ کے شیخ ہیں)
لاهل مکة بالقراریط......	کی سند سے کنت ارعاها لاهل مکة کے
قال سوید احد رواته یعنی کل	الفاظ وارد ہیں، سوید جو اس روایت کے
شاة بقیراط یعنی القیراط الذی	راویوں میں سے ہیں، انھوں نے قراریط کا
هو جزء من الدینار او الدراهم	ترجمہ کل شاة بقیراط سے کیا ہے جس کا مطلب ہے
قال ابراهیم الحربی قراریط	کہ میں ہر بکری کی قیراط کے عوض چراتا تھا، جو
اسم موضع بمکة ولم یرد	دینار اور درہم کا ایک جزو ہے، ابراہیم

---

۱ ملاحظہ ہو مجمع البحرین در و ٹوگراف) سنٹرل اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ کراچی۔

القراريط من الفضة وصوبه
ابن جوزي تبعا لابن ناصر
وخطاء سويدا في تفسيره
لكن رجح الاول لان اهل
مكة لا يعرفون بها مكانا يقال
له قراريط واما ما رواه النسائي
من حديث نصر بن حزن ....
قال افتخر اهل الابل واهل
الغنم فقال رسول الله صلى الله
عليه وسلم بعث موسى وهو راعي
غنم وبعث داؤد وهو راعي غنم
وبعثت وانا ارعى غنم اهلي بجياد
فزعم بعضهم ان فيه ردا للتاويل
سويد بن سعيد لانه ما كان يرعى
بالاجرة لاهله فيتعين انه اراد
المكان فعبر قارة بجياد
وقارة بقراريط وليس
الرد بجياد اذ لا مانع من

الحربی کا بیان ہے کہ قراریط مکہ معظمہ میں ایک
جگہ کا نام ہے، اور انھوں نے حدیث مذکور
میں قراریط سے یہی معنی مراد لیے ہیں، ابن الجوزی
نے محدث ابن ناصر کی اتباع میں اسی قول
کو صحیح قرار دیا ہے اور سوید کی تفسیر کو صحیح تسلیم
نہیں کیا لیکن سوید ہی کی تفسیر قابل ترجیح ہے
کیونکہ مکہ معظمہ میں اس نام کی کوئی جگہ نہیں،
ورنہ اہل مکہ اس سے واقف ہوتے، اور امام
نسائی نے نصر بن حزن کی سند سے جو روایت
بایں الفاظ نقل کی ہے کہ انھوں نے کہا اونٹ والے
اور بکریوں والے فخر کرنے کے لائق ہیں،
کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے
اور وہ بھی بکریاں چرانے والے تھے، اور حضرت
داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے اور وہ بھی
بکریاں چرانے والے تھے، اور مجھے نبی بناکر
بھیجا گیا اور میں اپنے گھر کنبہ کی بکریاں
جیاد[1] پر چراتا تھا، اس روایت سے بعض

---

[1] جیاد، اسی کا نام اجیاد بھی ہے یہ کوہ صفا سے متصل ایک پہاڑی ہے،

الجمع بين ان يرعى لاهله
بغير اجرة ولغيرهم باجرة
او المراد بقوله اهلى اهل
مكة فيتحد الخبران ويكون
في احد الحديثين بين
الاجرة وفي الآخر بيين
المكان فلا ينافي ذلك
والله اعلم وقال بعضهم
لم تكن العرب تعرف
القيراط الذي هو من
النقد ولذلك جاء في
الصحيح ستفتحون ارضا
يذكر فيها القيراط و
ليس الاستدلال لما ذكر
من نفي المعرفة بواضح[2]

علماء کو یہ خیال ہوا ہے کہ اس حدیث کے
پیش نظر شیخ سوید بن سعیدؒ کی تاویل
اور تشریح درست نہیں، اپنے گھر کنبہ کی
بکریاں اجرت پر نہیں چرائی جاتیں جس سے
ثابت ہوتا ہے کہ حدیث مذکور میں قراریط سے
مراد مقام اور جگہ ہے جسے کبھی جیاد کے نام
سے اور کبھی قراریط کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے،
مگر اس سے شیخ سوید کے قول کی پوری تردید
نہیں ہوتی کیونکہ ان دونوں روایتوں
میں تعارض نہیں، آپ نے اپنے گھر کنبہ کی
بکریاں بغیر اجرت کے اور مکہ والوں کی
بکریاں اجرت پر چرائی ہوں گی یا لفظ اہلی[1]
سے مراد اہل مکہ ہوں، اس طرح دونوں
حدیثیں متحد المعنی ہو جاتی ہیں، اور ممکن ہے
ایک حدیث میں اجرت کو بیان کیا گیا ہو اور
دوسری میں مکان اور جگہ کا بتانا مقصود ہو،
اس لیے ان میں کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا،
واللہ اعلم اور بعض علماء کا خیال ہے کہ قیراط

---

[1] عینی اہلی میں اضافت یائے متکلم کی طرف اضافت باونیٰ ملابست ہے [2] فتح الباری طبعۂ اول مطبع المیریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ ج ۴ ص ۳۶۴

جو نقود میں سے ہے اہل عرب اس سے واقف
نہ تھے اور اسی وجہ سے حدیث صحیح میں وارد ہے
کہ عنقریب تم اسی سرزمین (ملک) کو فتح کروگے
جہاں قیراط کا ذکر ہوتا ہوگا، اس سے اہل عرب
کی عدم واقفیت پر استدلال کرنا صحیح نہیں،
کیونکہ عدم معرفت کی تصریح واضح اور
صاف نہیں ہے[1] لہٰذا شیخ سویدی کا قول صحیح

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قراریط کے نام کی کوئی جگہ مکہ معظمہ میں موجود نہیں ہے،
لہٰذا حدیث مذکور میں قراریط سے مراد نقود ہیں۔

شیخ علی بن برہان الدین الحلبی نے انسان العیون میں بصراحت لکھا ہے کہ امام بخاری
کا حدیث مذکور کو باب الاجارہ میں ذکر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ قراریط سے مراد نقود ہیں جگہ نہیں[2]
مذکورۂ بالا واقعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو علما، اس وقت مسند درس پر متمکن تھے
اور حافظ الحدیث کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، ان کی معلومات بھی زیادہ وسیع اور ٹھوس
نہ تھیں، یہی وجہ ہے کہ بعض مشہور مولفین کے ناموں میں بھی بقول صغانی یہاں تصحیف ہوگئی تھی،
ان ہی میں سے صاحب غریب القرآن، علامہ ابوبکر محمد بن عزیز السجستانی المتوفی ۳۳۰ھ
کا نام بھی ہے، اہل بغداد آپ کو ابن عزیر کے نام سے یاد کرتے تھے، یہاں کے نامور عالم حافظ
ابن ناصر نے اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا تھا، اور جس میں یہ ثابت کیا تھا کہ ان کے باپ

---

[1] اس حدیث میں یہ بتانا ہے کہ جس سرزمین کو تم فتح کروگے وہاں قیراط کا بڑا چرچا ہے، کیونکہ وہاں اسی کا رواج ہے۔ [2] ملاحظہ ہو انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون مطبع مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۳۴۹ھ ج ۱ ص ۱۲۱

کا نام عزیز نہیں ہے بلکہ عزیر ہے۔ یہ رسالہ صغانی کی نظر سے بھی گذرا ہے۔ مگر آپ کی نظر چونکہ نہایت غایر تھی، یہ رسالہ نظروں میں نہیں سمایا۔ اور آپ کی وہی رائے رہی کہ عزیر بالراء المھملہ ہرگز صحیح نہیں، موصوف العباب میں رقمطراز ہیں:

عزیز مصغر، محمد بن عزیز	عزیز مصغر ہے اور ابوبکر محمد بن عزیز
ابوبکر السجستانی مؤلف	السجستانی مولف غریب القرآن کو جسکو
غریب القرآن علی حروف	حروف معجم پر مرتب کیا ہے[1]، اہل بغداد
المعجم واھل بغداد یقولونہ	آپ کو بالراء یعنی محمد بن عزیر کے نام سے
بالراء وھو تصحیف ورأیت	یاد کرتے ہیں جو تصحیف ہے اور میں نے بغداد کے
بعضھم جمع فیہ شیأ وذکر	بعض علماء کو دیکھا ہے، انھوں نے اس موضوع
اختلاف الناس فیہ	پر مواد اکٹھا کیا اور رسالہ لکھا ہے، اور اس میں

اس رسالہ کے متعلق مجدالدین فیروزآبادی نے القاموس میں لکھا ہے:

قد ضرب فی حدید بارد	مولف نے سرد لوہے پر چوٹ لگائی ہے یعنی بے اثر کلام کیا ہے۔

سید مرتضیٰ الزبیدی تاج العروس میں لکھتے ہیں:

---

[1] عبدالرحمٰن بن محمد الانباری المتوفی ۵۷۷ھ نے نزہۃ الالبا فی طبقات الادبا، (طبع مصر ۱۲۹۴ھ ص ۳۰۶) میں لکھا ہے کہ یہ رسالہ پندرہ برس میں مرتب کیا تھا، پہلی مرتبہ یہ رسالہ سید جمال الدین بھوپالی کی مساعی سے تبصیر الرحمٰن و تیسیر المنان مولفہ مخدوم علی مہائمی مطبوعہ بولاق مصر ۱۲۹۵ھ کے حاشیہ پر طبع ہوا تھا، پھر بدرالدین الغسانی کی تصحیح کے ساتھ مطبعۃ السعادہ مصر سے ۱۳۲۵ھ میں علیحدہ شائع ہوا تھا، اور اب مصری مصحف کے حواشی پر شائع ہوا ہے۔

ان جميع ما احتج به فيها راجع الى الكتابة لا الى الضبط من قبل الحروف بل هو من قبل الناظرين فى تلك الكتابات وليس فى مجموعه ما يفيد العالم بان آخره ر ١٤ بل الاحتمال يطرق هذه المواضع التى احتج بها

وہ تمام اقوال جن سے مؤلف نے اس رسالہ میں استدلال کیا ہے وہ سب کتابت اور نقول سے تعلق رکھتے ہیں، ان باتوں کو اصل نام کے حروف میں ضبط کرنے سے کوئی علاقہ نہیں، بلکہ یہ تو ان ناظرین کا قدیم نوشتوں کے متعلق بیان ہے، اس لورے مجموعہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے یقین ہو سکے کہ عزیز کے آخر میں حرف (ر) ہے بلکہ جن مواقع پر یہ لفظ بالراء لکھا ہوا ہے۔

[illegible]

امام ذہبی نے تاریخ الاسلام میں اور حافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے تبصیر المنتبہ فی تحریر المشتبہ میں حافظ ابن ناصر کے اس رسالہ پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کا کچھ حصہ سید مرتضیٰ الزبیدی نے بھی تاج العروس میں نقل کر دیا جس کا خلاصہ وہی ہے جو الزبیدی کے الفاظ میں اوپر نقل ہو چکا، مگر بحث کے آخر میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے،

والقلب الى ما نص (اوما) اتفق عليه الدارقطنى اميل[1]

اور میرا دل تو اسی بات کی طرف زیادہ مائل ہے جس کی تصریح امام دارقطنی سے ثابت ہے اور جس پر موصوف کا اتفاق ہے، وہ عزیز بالزاء المعجمہ ہے۔

مرکز خلافت میں درس و تدریس کا شغل | بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس سال آپ یہاں تشریف لائے اور آپ کے علم کا شہرہ ہوا تو ہر طرف سے طلبہ کی آمد ہوئی اور آپ نے یہاں بھی

---

[1] ملاحظہ ہو تبصیر المنتبہ بحوالہ تاج العروس (مادہ عزز)

درس وتدریس کا شغل اختیار کیا اور اہل بغداد کو اس سے بڑا فیض پہنچا، مورخ عبدالرزاق الفوطی البغدادی کا بیان ہے

قدم بغداد سنة خمس عشرة	۶۱۵ھ میں بغداد آئے اور اہل بغداد نے آپ سے
وقراء الناس علیہ وانتفعوا بہ[1]	پڑھا اور بڑا استفادہ کیا،

صغانی کا معدلین کے زمرہ میں الحاق | قاضی بغداد محمود بن احمد الزنجانی[2] نے جو نہایت مردم شناس بزرگ تھے، صغانی کو معدلین کی فہرست میں شامل کر لیا تھا، معدّل وہ ثقہ اور متدین شخص ہوتا تھا جو عدالت میں قاضی کے سامنے شہادتیں ہو جانے کے بعد بطور صفائی کے گواہ کے شہادت دیتا ہے،

---

[1] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ والتجارب النافعہ فی المائۃ السابعہ، طبع بغداد ۱۳۵۱ھ

[2] محمود بن احمد بن محمود بن بختیار الزنجانی الشافعی نام، ابو البقا اور ابو المناقب کنیت ہے، ۵۷۳ھ میں زنجان میں جو قزوین اور ابہر کے مابین ایک شہر ہے) میں پیدا ہوئے اور بغداد میں سکونت اختیار کی، نہایت نامور مفسر لغوی اور فقیہ تھے، ذہبی کا بیان ہے کان بحرا من العلم، آپ علم کے سمندر تھے، ابن النجار نے لکھا ہے برع فی المذاھب والخلاف والاصول علم اصول، اختلافی مسائل اور امور مذہبی میں ماہر تھے، بغداد میں عہدۂ قضا پر فائز ہوئے مگر پھر اس سے علیحدہ ہو گئے اور مدرسۂ نظامیہ اور اس کے بعد مدرسۂ مستنصریہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، آپ کو خلیفہ ناصر لدین اللہ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل تھی، حافظ دمیاطی بھی آپ کے شاگردوں میں ہیں، ۶۵۶ھ میں ہلاکو کے حملۂ بغداد میں شہید ہوئے، متعدد تالیفات آپ سے یادگار ہیں، آپ کی نہایت کامیاب تالیف تہذیب الصحاح ۱۹۵۲ء میں قاہرہ سے شائع ہو گئی ہے، حالات کے لیے ملاحظہ ہو الطبقات الشافعیۃ الکبری، طبع مصر ج ۵ ص النجوم الزاہرہ ج ۷ ص اور مقدمہ تہذیب الصحاح،

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صغانی کے زہد و تقویٰ کا بغداد کے اہل علم پر بڑا اثر تھا، باوجودیکہ صغانی کو قاضی بغداد نے معدلین کے زمرہ میں شامل کر لیا تھا، لیکن آپ نے عدالت میں جاکر قاضی کے سامنے کبھی شہادت نہ دی، مورخ ابن الفوطی رقمطراز ہیں :

الحقه القاضي محمود بن احمد	قاضی محمود بن احمد الزنجانی نے آپ کو
الزنجاني بالمعدلين فلم يحضر	معدلین کے زمرہ میں شامل کر لیا تھا مگر
مجلس قاض ولا شهد[۱]	آپ قاضی کی مجلس میں حاضر نہیں ہوئے اور نہ کبھی گواہی دی

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صغانی اس منصب کو بھی فروتر سمجھتے تھے.

حضرت معروف کرخی کے مزار پر حاضری صغانی کو بغداد میں آئے ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے، کہ کوئی ایسی حاجت درپیش ہوئی جس کا کوئی حل نظر نہ آیا تو آپ حضرت معروف کرخی کے مزار پر پہنچے، یہ مزار قبولیت دعا کے لیے بہت مشہور ہے، آپ نے دعا کی اور کار برآری ہو گئی سید مرتضیٰ زبیدی، العباب الزاخر کے حوالہ سے ناقل ہیں،

ابو محفوظ معروف بن فيروز[۲]	حضرت ابو محفوظ معروف بن فیروز کرخی رح

---

[۱] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ طبع بغداد ۱۳۵۱ھ ص ۲۶۳، اور یہ عبارت بھی اس طرح ہے فلم یحضر مجلس قاض ولا شهد

[۲] حضرت معروف کرخی نصرانی النسل تھے، بچپن ہی میں حضرت علی بن موسیٰ الرضا رض کے ہاتھ پر اسلام لائے، پھر آپ کے والدین بھی مسلمان ہو گئے، آپ زہد و ورع میں شہرت رکھتے تھے، علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور نہایت مستجاب الدعوات ولی تھے، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ امام احمد بن حنبل رح کے فرزند عبد اللہ نے اپنے والد سے پوچھا کہ حضرت معروف کرخی رح کو کچھ علم بھی حاصل ہے، آپ نے فرمایا بیٹا ان کے پاس تو علم کی جان ہے اور وہ خشیت باری تعالیٰ ہے ۲۰۰ھ میں انتقال ہوا، حضرت سری سقطی رح آپ کے مرید و خلیفہ تھے، کرخ بغداد کا مشہور محلہ ہے، آپ یہیں رہتے تھے، اسی نسبت سے کرخی مشہور ہیں، اہل علم میں یہ بات نہایت مشہور ہے کہ آپ کا مزار قضائے حاجات کے لیے تریاق مجرب ہے۔ ابن الجوزی جیسے اکابر علماء نے آپ کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ حالات کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ بغداد مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء ج ۱۳ ص ۱۹۹، کتاب الانساب از علامہ سمعانی طبع لیڈن نسبت کرخ، صفۃ الصفوہ مولفہ ابن الجوزی، طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۵۵ھ ج ۲ ص ۱۸۰

الکرخی قدس اللہ روحہ من اجلۃ الاولیاء قبرہ الترياق المجرب ببغداد لقضاء الحاجات قال الصاغانی عرضت لی حاجۃ وحیرتنی فی سنۃ خمس عشرۃ وستمائۃ فاتیت قبرہ وذکرت لہ حاجتی کما تذکر للاحیاء معتقدا ان اولیاء اللہ لایموتون ولکن ینقلون من دار الی دار وانصرفت فقضیت الحاجۃ قبل ان اصل الی مسکنی[1]

نہایت جلیل القدر اولیاء اللہ میں سے تھے، آپ کی قبر قضائے حاجات کے لیے تریاق مجرب ہے، صغانی کا بیان ہے کہ ۶۱۵ھ میں مجھے ایک حاجت درپیش ہوئی اور اس نے مجھے حیرت میں ڈال دیا، تو میں آپ کے مزار پر آیا اور اپنی حاجت کا تذکرہ کیا، اسی طرح سے جس طرح سے زندوں سے کیا جاتا ہے، اس اعتقاد کی بنا پر کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں، بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جاتے ہیں، دعا کرکے گھر واپس ہو گیا، ابھی گھر پہنچا بھی نہ تھا کہ وہ حاجت پوری ہو گئی۔

خلیفۂ وقت الناصر لدین اللہ نے جب حسن صغانیؒ سے حدیث پڑھی تو وہ آپ کے فضل و کمال زہد و تقویٰ، فراست اور ذہانت سے بڑا متاثر ہوا، آپ کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی جس میں تمام علوم و معارف بہ ترتیب جمع تھے، تفسیر، حدیث، فقہ، انساب، لغت، ادب اور شاعری وغیرہ کوئی علم ایسا نہ تھا جس میں ان کو ید طولیٰ حاصل نہ ہو، ان ہی اوصاف و کمالات نے خلیفہ کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو العباب بحوالہ تاج العروس (مادہ عرف) جس مقام پر اولیاء مدفون ہوتے ہیں وہاں ان کے اعمال کی بارگاہ الٰہی میں [illegible] قبولیت کی وجہ سے [illegible] انوار الٰہی کا فیضان خوب ہوتا ہے جس کی وجہ سے دعا اکثر بہت جلد ہی قبول ہو جاتی ہے۔

ابھی صغانی کو بغداد میں آئے ہوئے سال بھر بھی پورا نہیں گذرا تھا کہ خلیفہ الناصرلدین اللہ نے ہندوستان میں سفارت کے لیے آپ کا انتخاب کیا، اس انتخاب کی غالباً یہ دو وجہیں تھیں،

(۱) آپ ہندوستان کے باشندے تھے، یہاں کے حالات سے خوب واقف تھے، علماء و امرا کی نظروں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اور ایک خاص مقام اور شہرت کے مالک تھے۔

(۲) آپ کی ذات ایسی جامع کمالات تھی جو سفارت کے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتی تھی، چنانچہ اس نے ۶۱۶ھ میں آپ کو سفیر بنا کر التمش کے دربار میں بھیجا، مورخ عبدالرزاق ابن الفوطی الحوادث الجامعہ میں رقمطراز ہیں :

نفذہ الخلیفۃ الناصر رسولاً الی ملك الھند[1]	خلیفہ الناصرلدین اللہ نے (۶۱۶ھ میں جیسا کہ آگے چل کر بحث آئے گی) آپ کو سفیر بنا کر ہندستان کے بادشاہ کے دربار میں بھیجا۔

افسوس اور سخت افسوس ہے کہ اس عہد کے ہندوستانی مورخوں نے ہندوستان کے ان مسلمان حکمرانوں کے نہ ذاتی حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور نہ ملکی امور کے خد و خال کو نمایاں کیا ہے، اس لیے اس دور کے بعض اہم تاریخی واقعات پر پردہ پڑا ہوا ہے، بیرونی مورخوں کی کتابوں میں چند جملے مل جاتے ہیں، ان ہی کے ذریعہ کسی نتیجہ تک پہنچنا ممکن ہوتا ہے،

ان امور میں سے جن پر یکسر پردہ پڑا ہوا ہے، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے مرکز خلافت سے تعلقات بھی ہیں، اس سلسلہ میں چند باتوں کا پہلے عرض کر دینا ضروری ہے،

خلافت بغداد جب اپنا وقار اور دبدبہ قائم نہ رکھ سکی تو دور و نزدیک ہر جگہ مسلمان حکمرانوں کی چھوٹی بڑی حکومتیں قائم ہو گئی تھیں،

---

[1] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ طبع بغداد ص ۲۶۳

خلافت بغداد اور ہندوستان کے باہمی تعلقات

الناصرلدین اللہ ابو العباس احمد بڑا مدبر، بیدار مغز، سخت گیر اور نہایت شان و شکوہ اور دبدبہ کا خلیفہ تھا، جب وہ ۵۷۵ھ میں سریرآرائے خلافت ہوا تو اس کے سیاسی تدبر اور ہیبت و جلال سے خلافت کے تن مردہ میں ازسرنو جان آگئی اور مرکز خلافت کو استحکام حاصل ہوگیا، مورخ الموفق عبداللطیف کا بیان ہے،

کان الناصر قد ملأ القلوب	الناصر لدین اللہ وہ خلیفہ تھا جس کا خوف
هيبة وخيفة فكان يرهبه	اور رعب لوگوں کے دلوں پر چھایا ہوا تھا،
اهل الهند ومصر كما يرهبه	اس سے اہل ہند اور اہل مصر اسی طرح
اهل بغداد فاحيا بهيبته	ڈرتے تھے جس طرح اہل بغداد ڈرتے تھے،
الخلافة وكانت قد ماتت	اس نے خلافت کی ہیبت کو جو خلیفہ المعتصم
بموت المعتصم ثم ماتت	کے مرجانے سے فنا ہو چکی تھی زندہ کیا،
بموته[1]	مگر وہ اس کی موت کے بعد پھر ختم ہو گئی،

اس نے ہر جگہ وقائع نگاروں کا ایسا جال پھیلا دیا تھا کہ اطراف کے تمام ممالک کے حالات سے ہمیشہ باخبر رہتا تھا، علامہ ابن واصل کا بیان ہے،

كان الناصر شهما، شجاعا	الناصر ہوشیار، شجاع، صائب الرائے،
ذا فكرة صائبة وعقل رصين	صاحب فکر، دانشمند اور سیاسی چالوں
ومكر ودهاء، وله اصحاب	سے خوب واقف تھا، اس کے پرچہ نویس
اخبار فى العراق وسائر الاطراف	عراق بلکہ اکناف عالم میں پھیلے ہوئے تھے،

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء، مولفہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۹۵۲ء ص ۴۵۸

يطالعونه بجزئيات الامور[1]

جو اسے جزئیات کی اطلاع دیتے تھے۔

مورخ الذہبی رقمطراز ہیں،

كان مع سعادة جده شديد الاهتمام بمصالح الملك لا يخفى عليه شئ من احوال رعيته كبارهم وصغارهم واصحاب اخبار في اقطار البلاد يوصلون اليه احوال الملوك الظاهرة والباطنة وكانت له حيل لطيفة و مكائد غامضة وخدع لا يفطن لها احد[2]

الناصر خوش نصیبی کے ساتھ ساتھ ملکی امور کی انجام دہی میں بڑی سعی اور اہتمام کرتا تھا، اسے اپنی رعایا کے ہر چھوٹے بڑے معاملہ کی خبر رہتی تھی، اس کے وقائع نگار سارے شہروں میں پھیلے ہوئے تھے جو بادشاہوں کے ظاہری اور باطنی احوال تک کی خبریں اسکو بھیجتے رہتے تھے، اس کی تدبیریں ایسی لطیف اور اس کی چالیں ایسی گہری ہوتی تھیں کہ کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا،

خلیفہ کے باخبر رہنے کا اندازہ مورخ سیوطی کے نقل کردہ حسب ذیل واقعہ سے بھی ہوتا ہے

وصل اليه رجل معه ببغاء تقرأ قل هو الله احد، تحفة للخليفة من الهند فاصبحت ميتة واصبح حيران، فجاءه

ایک شخص الناصر لدین اللہ کے واسطے ہندوستان سے ایک طوطا لیکر چلا جو قل ہو اللہ احد پڑھتا تھا جب وہ بغداد پہنچا تو رات کو طوطا مرا ہوا پایا، صبح کو

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء مولفہ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ ص ۴۵۱ [2] ایضاً ص ۴۴۸

فراش، یطلب منه الببغاء	یہ شخص نہایت حیران ہوا کہ اتنے میں خلیفہ
فبکی وقال اللیلة مات	کا ایک خادم آیا اور اس سے وہ طوطا
فقال قد عرفنا ھاانھا میتة	مانگا، یہ روکر کہنے لگا کہ وہ رات کو مرگیا،
وقال کم کان ظنك ان یعطیك	خادم نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے کہ وہ مرچکا،
الخلیفة قال خمسمائة دینار	مگر مرا ہوا ہی دیدو، اور یہ بتلاؤ کہ تم کو
قال ھذہ خمسمائة دینار	خلیفہ سے کتنے انعام کی توقع تھی، کہنے لگا
فقد ارسلها الیك الخلیفة	پانچ سو دینار کی، خادم نے پانسو دیکر
فانه اعلم بحالك منذ خرجت	کہا، یہ خلیفہ نے تم کو عنایت کیے ہیں جس وقت
من الھند[1]	تم اسے ہندوستان سے لیکر چلے تھے اسی وقت
	سے خلیفہ کو تمہاری خبر تھی۔

اسی بنا پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ خلیفہ کو کشف ہوتا ہے، یا کوئی جن ان کے تابع ہے۔ علامہ ذہبی کا بیان ہے

قیل ان الناصر کان مخدوما	لوگوں میں عام خیال تھا کہ الناصر لدین اللہ
من الجن[2]	کے جن تابع ہیں،

یہ خلیفہ کا سیاسی تدبر ہی تھا کہ اس نے مرکز خلافت کو برقرار اور اسے استوار و مستحکم رکھنے کے لیے مسلمان بادشاہوں کے دربار میں اپنے قاصد اور سفراء بھیجے، اور انھیں ہدایا اور خلعتوں سے سرفراز کرکے ان کو اپنی نیابت اور خلافت سے وابستہ رکھا۔ البتہ ان مسلمان حکمرانوں سے جنھیں بغداد سے ہمسری کا دعوی تھا (جیسے خوارزم شاہ وغیرہ) ان سے

---

[1] تاریخ الخلفاء، ص ۴۴۹ [2] ایضاً

خلیفہ کے تعلقات خوشگوار نہیں رہے،

خلیفہ الناصر لدین اللہ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے دوسرے سال سلطان صلاح الدین ایوبی کے دربار میں اپنے قاصد تحفے اور خلعت دیکر بھیجے، حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی البدایہ والنہایہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وفی رجب منہا (سنۃ ست	اسی سال رجب ۵۷۶ھ میں خلیفہ الناصر
وسبعین) قدمت رسل الخلیفۃ	لدین اللہ کے سفرا خلعتیں اور ہدایا لیکر
الناصر بخلع وھدایا الی	سلطان الناصر صلاح الدین ایوبی کے[1]
الناصر صلاح الدین فلبس	دربار میں دمشق پہنچے اور سلطان نے خلیفہ
خلعۃ الخلیفۃ بدمشق	کی خلعت کو پہن کر شہر کو آراستہ کرکے
وزینت لہ البلد وکان	یادگار دن منایا،
یوما مشھوداً[2]	

اس سے سلطان کی خلعت کی عظمت کا پتہ چلتا ہے،

جب خلیفہ نے سراویل الفتوہ (جامۂ سخاوت ومردانگی) زیب تن فرمایا تو اپنے سفرا اور قاصدوں کے ذریعہ یہ لباس شہاب الدین غوری کے پاس بھی بھیجا، ابن تغری بردی (خدا بخش) کا بیان ہے:

فالبسوا الملک العادل	ملک عادل ابو العباس احمد الناصر لدین اللہ

---

[1] سلطان صلاح الدین کے الناصر کا لقب اختیار کرنے پر الناصر لدین اللہ نے ایک خط اس کو لکھا کہ جب میں نے یہ لقب اختیار کر لیا ہے تو تمھیں اختیار نہیں کرنا چاہیے، اس خط پر سلطان صلاح الدین نے الناصر کا لکھنا موقوف کر دیا تھا، ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء سیوطی احوال الناصر لدین اللہ [2] ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ مطبعۃ السعادۃ مصر ج ۱۲ ص ۳۰۷

(ابو العباس احمد الناصر لدین اللہ)	کو جامۂ سخاوت و مردانگی پہنایا گیا اور
ثم اولادہ ومن اولیٰ الفتوۃ	پھر اس کی اولاد کو بھی یہی لباس پہنایا گیا،
ولبسہا ایضاً الملک شہاب الدین	سلطان شہاب الدین نے بھی جو غزنہ اور
صاحب غزنۃ والہند من	ہندوستان کا بڑا بادشاہ تھا اسکو پہنا
الخلیفۃ الناصر لدین اللہ	جو خلیفہ الناصر لدین اللہ نے اسکو بھیجا
ولبسہا جماعۃ آخر من	تھا، یہ جامہ سخاوت و مردانگی
الملوک[1]	اور بھی بادشاہوں نے پہنا ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزنی اور ہندوستان کے اس حکمراں کے دربار میں بھی خلیفہ کے سفیر آئے تھے، اور اس کے تعلقات بھی خلیفہ سے خوشگوار تھے،

قطب الدین ایبک کا زمانہ نہایت مختصر اور پر آشوب تھا، گو ہمیں تاریخ سے اس کے دربار میں سفراء کی آمد کا سراغ نہیں ملتا، لیکن بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ قطب الدین ایبک نے بھی اپنے آقا شہاب الدین محمد غوری کے خلیفہ بغداد سے تعلقات کا پاس و لحاظ رکھا تھا اور اس حقیقت کا انکشاف ان القاب سے ہوتا ہے، جو اس کے لیے استعمال ہوئے ہیں اس میں عضد الخلافۃ[2] اور نصرۃ امیر المومنین[3] کے الفاظ بصراحت موجود ہیں، ہندوستانی مورخین اس باب میں خاموش ہیں، اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ قطب الدین ایبک سے تعلقات کی نوعیت کیا تھی،

بعض قرائن اور شواہد ایسے موجود ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شمس الدین التمش سے خلیفہ الناصر لدین اللہ کے تعلقات حسن صغانیؒ کی آمد سے بھی پہلے سے تھے، چنانچہ ۶۱۴ھ

---

[1] النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ مطبعۃ دار الکتب المصریہ ۱۹۳۶ء جلد ۶ ص ۳۶۱ [2] تا [3] ج الماٰ: بحوالہ بزم مملوکیہ [3] تاریخ مبارک شاہ از فخر الدین مبارک شاہ ص ۳۲

کے چاندی کے ایک سکہ پر حسب ذیل عبارت موجود ہے،

السلطان المعظم شمس الدنیا والدین ابو المظفر التتمش

القطبی ناصر امیر المومنین [1]

یہ اس امر کا نہایت بین ثبوت ہے کہ ۶۱۴ھ میں خلیفہ الناصر لدین اللہ کے تعلقات سلطان التتمش سے نہایت خوشگوار تھے۔ اور یہاں کے حکمراں خود مختار ہونے کے باوجود خلافت بغداد سے وابستہ تھے، ان ہی تعلقات کو استوار کرنے کی غرض سے صغانی کو سفیر بنا کر التتمش کے دربار میں بھیجا گیا تھا۔

[1] ملاحظہ ہو The Coinage and Metrology of The Sultans of Dehli: by H. N. Wright. Dehli 1936. P15

سیرۃ النبیؐ جلد چہارم

(جدید اڈیشن)

منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، تبلیغ نبویؐ کے اصول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر مفصل اور حکیمانہ مباحث۔

(مؤلفہ مولانا سید سلیمان ندویؒ)

قیمت:- عہ ۵۰ نئے پیسے

منیجر

مقالات

امام حسن بن محمد الصغانی لاہوری

از

مولانا محمد عبد الحلیم چشتی فاضل دیوبند

قدیم ترین مورخین کمال الدین عبد الرزاق ابن الفوطی المتوفی ۷۲۳ھ نے صغانی کی بغداد سے ہندوستان میں پہلی بار آمد کا تذکرہ الحوادث الجامعہ میں کیا ہے لیکن سنہ کا تعین نہیں کیا ہے علامہ شمس الدین الذہبی نے پہلی سفارت کا سال ۶۱۷ھ نقل کیا ہے، چنانچہ تاریخ الاسلام میں رقمطراز ہیں:

ذھب منها بالرسالة الشریفة	۶۱۷ھ میں آپ کو بغداد سے ہندوستان
الی صاحب الھند سنة سبع عشرة	کے بادشاہ کے پاس سفارت پر بھیجا
(وستمائة)	گیا،

جمہور مورخین نے بالاتفاق یہی سنہ نقل کیا ہے، سید مرتضیٰ زبیدی نے بھی تاج العروس میں ذہبی کے حوالہ سے ۶۱۷ھ نقل کیا ہے مگر جمہور مورخین کا یہ قول صحیح نہیں جیسا کہ صغانی لفظ قنوج پر بحث کرتے ہوئے مجمع البحرین میں لکھتے ہیں:

قنّوج وھو موضع فی بلاد الھند[1]	قنوج ہندوستان کے شہروں میں ایک

---

[1] قنوج نہایت قدیم شہر ہے اس کا ذکر ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں بھی آیا ہے، عرب کے قدیم مورخین نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، صغانی کے معاصر یاقوت رومی نے اس کو بفتح القاف ضبط کیا ہے موصوف معجم البلدان

لم یزد علیہ، قال الصغانی	مقام ہے (ازہری) نے اس سے زیادہ کچھ
مؤلف ھذا الکتاب وزنہ	نہیں لکھا ہے، اس کتاب کا مؤلف صغانی
فعّول مثل سنّور وعجّول و	کہتا ہے کہ وہ سنّور اور عجّول کی طرح فعّول
ھو معرب کنوج[۵] بفتح الکاف	کے وزن پر ہے، اور یہ لفظ کنوج کا معرب ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۵) میں تحریر فرماتے ہیں:

قنّوج بفتح اوله وتشدید ثانیه	قنّوج کا حرف اوّل مفتوح اور دوسرا
وآخرہ جیم موضع فی بلاد	حرف مشدد ہے اور آخر میں جیم ہے ازہری
الھند عن الازھری،	کے بیان کے مطابق بلادِ ہند میں ایک مقام ہے

حموی نے معجم البلدان کا جو خلاصہ مراصد الاطلاع فی معرفۃ الامکنۃ والبقاع کے نام سے کیا ہے، اور وہ ۱۳۱۵ھ میں طہران سے شائع ہو چکا ہے اس میں انھوں نے معجم البلدان کی بہت سی فروگذاشتوں اور غلطیوں کی تصحیح کی ہے لیکن اس کتاب میں بھی قنوج کو ان ہی الفاظ میں ضبط کیا ہے۔

شمس الدین محمد الجزری المتوفی ۸۳۳ھ نے غایۃ النہایۃ (طبع مصر ج ۱ ص ۲۸۰) میں اپنے ہم عصر مقری داؤد بن محمد بن شہاب ظہیر الدین القنوجی المتوفی ۸۰۹ھ کے تذکرہ میں اسی طرح ضبط کیا ہے جس طرح سے صغانی نے کیا ہے،

ان بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ قنوج بفتح القاف اور بکسر القاف دونوں طرح صحیح ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اس لفظ کو دونوں طرح (Kannawdj اور Kinnawdj) لکھا گیا ہے

[۵] ابوریحان البیرونی نے اپنی کتاب فی تحقیق ما للہند من مقولۃ مقبولۃ فی العقل او مرذولۃ (طبع لیپزگ ۱۹۲۵ء) میں ہر جگہ قنوج کو کنوج ہی لکھا ہے،

وَالنُّون وَضمّ الواو وکان قد
فتحه السُّلطان محمود بن سبکتکین
ثمّ استولی علیه الکفار بعد
فتح فی زمن الامام الناصر لدین
الله ابی العبّاس احمد امیر المؤمنین
قدس الله روحه ففتح السلطان
شمس الدین أَیلْتَتْمِش تغمده
الله تعالیٰ برحمته، حین ارسلت

جو بفتح قاف و نون اور بضم واؤ ہے اس
کو سلطان محمود بن سبکتگین نے فتح کیا
تھا پھر امام امیر المومنین ناصر لدین اللہ
ابو العباس احمد قدس اللہ سرہ کے زمانے
میں کافروں نے اس پر قبضہ کر لیا تو
سلطان التتمش غفر اللہ لہ نے اس کو
اس زمانہ میں فتح کیا تھا جب ۶۱۶ھ
میں مجھے ایوان شاہی کی طرف اس کے

لہ التیمش، اس لفظ میں تاریخ نگاروں کا سخت اختلاف ہے، مورخ عبد القادر بدایونی کا خیال ہے کہ لفظ التتمش ہے، وہ منتخب التواریخ (طبع کلکتہ ج ۱ ص ۶۲) میں لکھتے ہیں:

"وجہ تسمیہ بہ التمش (التتمش) آنست کہ تولد وے در شب گرفتن ماہ واقع شدہ بود ترکان این چنیں مولود را التمش (التتمش) خوانند"

یعنی اس وقت تو درست ہو سکتے تھے جب یہ لفظ التمش ہوتا یعنی اس میں لام نہ ہوتا کیونکہ ای کے معنی ماہ کے ہوتے ہیں، التیمش کے ساتھ یہ معنی درست نہیں، میجر راورٹی (Raverty) کی تحقیق پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

ہمارے فاضل و محترم دوست عبد الحئی حبیبی جنھوں نے طبقات ناصری کو بڑی محنت اور نہایت تحقیق سے مرتب کیا ہے، وہ بعض وجوہ سے اس نتیجہ تک پہونچے ہیں کہ اس لفظ کا صحیح املا التتمش ہے، طبقات ناصری کے مولف منہاج الدین جوزجانی نے اپنے حسب ذیل شعر میں اس لفظ کو اسی طرح باندھا ہے:

آن شہنشاہی کہ حاتم بذل و رستم کوشش است　　ناصر دنیا و دین محمود بن التتمش است

الیہ من الدیوان العزیز مجدہ	پاس بھیجا گیا تھا (اللہ تعالیٰ اسے اعزاز
اللہ تعالیٰ فی سنۃ ست عشرۃ	بخشے) اسی بادشاہ نے قنوج کے گردنہات
وستمائۃ ومسور علیہ سورا	مضبوط فصیل بنوائی ہے اور اسے بلادِ سلامیہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۷) بلاشبہہ تقطیع شعر میں یہ لفظ التتمش ہی درست ہے اور اس اعتبار سے ان کا یہ استدلال کچھ غلط نہیں،

تعجب ہے خلیق احمد صاحب نظامی نے سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی میں ایلیتمش کے تذکرہ میں اس کے نام کی صحت پر منہاج الدین کے اسی شعر سے استدلال کیا ہے اور التتمش کو ایلتیمش بنا دیا ہے، جس سے شعر بھی خارج الوزن ہو گیا، پھر اس سے استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے،

صغانیؔ نے اس لفظ کو جس طرح نقل کیا ہے اور اس پر جو اعراب لگائے ہیں، اس میں ایلتتمش کی پہلی ت پر ضمہ صاف نہیں ہے، اگر ضمہ ہی ہے تو یہ لفظ کی صحت کا بیّن ثبوت ہے، صغانی کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ انھیں ترکی زبان پر دسترس حاصل تھی یا نہیں، لیکن وہ لغت کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے، اور صحت الفاظ کا بڑا اہتمام کرتے تھے، انھوں نے اس لفظ کے اعراب کو اگرچہ حروف میں ضبط نہیں کیا ہے لیکن جس طرح سے لکھا ہے اور اس پر اعراب لگائے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ اسی طرح درست ہے،

سید مرتضیٰ زبیدی نے بھی جنھیں ترکی زبان پر عبور حاصل تھا تاج العروس میں ایک موقع پر صغانی کے سلسلہ میں اس لفظ کو اسی طرح سے نقل کیا ہے،

ایلتتمش دراصل اسم مرکب ہے، ایل اور تُتْمِش دو جداگانہ کلمے ہیں، ایل کے معنی قبیلہ اور قوم کے ہیں تُتْمِش یُتْمک یا تُتْق کا حاصل مصدر ہے جس کے معنی گرفتن اور انتخاب کردن کے ہیں، اس لئے اس اسم مرکب کے معنی قوم کا منتخب اور پسندیدہ انسان ہوتے ہیں، چونکہ لفظ ایل کا تلفظ یاے معروف اور یاے مجہول کے درمیان ہے، اسی لئے صغانی نے اِیل پر ہمزہ بھی لگایا ہے اس لفظ کا صحیح تلفظ کچھ اہل زبان کے ساتھ ہی

حصیناً وھو الآن من بلاد ... میں داخل ہے،

الاسلام،

صغانیؒ کے مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۶۱۴ھ میں بغداد سے روانہ ہوئے اور

اسی سال یہاں پہونچے،

اس قسم کے مواقع پر مجمع البحرین میں سنین کی وضاحت نے اب لفظ نیف کا ابہام اٹھا دیا ہے

انی شرقت وغربت فی الھند ... میں ہندوستان اور سندھ کے مشرق و مغرب

المسند نیفا و اربعین سنة[۲] ... میں چالیس سال سے اوپر گھوما پھرا ہوں

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۸) خاص ہے ہر شخص اس کو صحیح طور پر ادا کرنے سے قاصر ہے بہرحال اَیل مکسور نہیں ہے اگر مکسور ہوتا تو اہلِ زبان ی پر نقطہ لگاتے جو کسرہ کی علامت ہے،

جب سے ترکی زبان رومن خط میں لکھی جانے لگی ہے اور مدارصوت پر ہوا ہے اس کے تلفظ میں بھی فرق آگیا ہے اہلِ زبان اب اس کی ت دوم کو ساکن نہیں، بلکہ مضموم کر دیتے ہیں، چنانچہ اس طرح سے Illutmug. لکھتے ہیں،

[۱] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شمس الدین التتمش نے قنوج کو ۶۱۶ھ میں فتح کیا تھا اور اس کے چاروں طرف نہایت مضبوط فصیل بنوائی تھی، منہاج الدین جوزجانی نے طبقات ناصری میں التتمش کی فتوحات کے سلسلہ میں صرف فتح قنوج کا نام گنایا ہے، اور اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے،

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں قنوج پر فاضل مقالہ نگار (M. L. Dames) نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ محمد بن سام غوری کی فتح کے بعد قنوج سے متعلق کوئی ایسا واقعہ نہیں جو قابلِ ذکر ہو،

[۲] ملاحظہ ہو تاج العروس (لفظ درکنکس)

صغانیؒ کے اس بیان سے ہندوستان میں اُن کے قیام کی مدت ۴۴ سال پوری ہو جاتی ہے، جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

صغانی سفارت میں ہندوستان تنہا بھیجے گئے تھے، یا اُن کے ساتھ اور بھی علما رتھے۔ اس کی تصریح کہیں نہیں مل سکی، مورخین نے رسول کا لفظ بھی استعمال کیا ہے جس کا اطلاق مفرد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ اور بھی علما رساتھ رہے ہوں، اور صغانی رئیس الوفد ہوں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صغانیؒ اس مرتبہ تنہا آئے تھے، گو مورخین نے ہدایا اور خلعت وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے مگر ظاہر ہے یہ چیزیں ضرور ساتھ رہی ہوں گی، کیونکہ کبھی کوئی سفیر کسی کے دربار میں خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا، ہندوستان کی تاریخیں اس باب میں بالکل خاموش ہیں، اس لئے ان باتوں پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی، حیرت ہے کہ مقامی تاریخوں میں صغانیؒ کی پہلی آمد کا کہیں پتہ نہیں چلتا،

جس زمانہ میں صغانی کا ورود ہندوستان میں ہوا تھا، اس زمانہ میں دارالحکومت دہلی نادرۂ روزگار علما ر و فضلا رکا مرکز بنی ہوئی تھی، اس کے باوجود یہاں صغانیؒ کے پایہ کا کوئی محدث نہ تھا، بدقسمتی سے ہندوستان کی زبان کسی دور میں بھی عربی نہیں رہی ہے، اس لئے یہاں لغت وادب کا چرچا بھی نہیں ہو سکا، مگر اس ملک کو مذہب سے ہمیشہ وابستگی رہی ہے، اس لئے حدیث کا کم اور فقہ کا زیادہ تر چرچا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ صغانیؒ کی حدیث دانی کا تذکرہ یہاں کی کتابوں میں خصوصیت سے کیا گیا ہے، حالانکہ صغانیؒ کا ادبی اور لغوی مذاق حدیث سے کہیں زیادہ تھا، خواجہ نظام الدین اولیار کا بیان ہے،

"باز بحضرت دہلی رسید در آں ایام در حضرت دہلی علما رکبار بودند با ہمہ در علوم متساوی بودا ما درعلم حدیث، زہمہ ممتاز، و ہیچ کس مقابل او نبود"[1]

---

[1] فوائد الفواد مطبوعہ نولکشور ۱۳۱۲ھ ص ۴۰۱،

فوائد الفواد سے ایک آخری اقتباس اور پیش کرنا ہے مگر یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ہمیں صغانیؒ کا بدایوں سے انتساب تسلیم کرنے میں اس لئے تامل ہے کہ اس بارہ میں امام صغانیؒ اور اُن کے تذکرہ نگاروں میں سے کسی ایک حتّٰی کہ ہندوستان کے آخری تذکرہ نگار مولانا حکیم عبدالحیٔ لکھنوی اور مولوی محمد عبدالشکور عرف رحمان علی صاحبِ تحفۃ الفضلاء فی تراجم الکملاء نے بھی حسن صغانی کے بدایون سے کسی قسم کے علاقہ اور نسبت کا تذکرہ ان کے حالات میں صراحۃً یا کنایۃً نہیں کیا ہے،

سید مرتضیٰ بلگرامی ثم الزبیدی نے دس ضخیم جلدوں میں قاموس کی نہایت مبسوط شرح تاج العروس لکھی ہے، اس تالیف کے موقع پر صغانی کی لغت کی دونوں کتابیں التکملہ اور العباب الزاخر بھی انکے پیش نظر رہی ہیں، اور انھوں نے صغانی کے متعلق بعض مفید باتیں العباب الزاخر سے تاج العروس میں نقل کی ہیں، گو العباب کی تالیف کے وقت صغانی کا انتقال مادہ "بکم" پر ہو گیا تھا لیکن العباب میں انھوں نے کہیں ضمناً بھی بدایون سے کسی تعلق کا اظہار نہیں کیا، اور نہ التکملہ میں اس طرف کوئی اشارہ کیا ہے، ورنہ سید مرتضیٰ بلگرامی جیسا محقق اور ناقد مورخ تاج العروس میں ضرور اس کا تذکرہ کرتا،

تاج العروس کو ہم نے حرفاً حرفاً پڑھا ہے، اس لئے ہم کو یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ سید مرتضیٰ بلگرامی نے کہیں بھی بدایوں سے امام صغانی کے کسی تعلق اور نسبت کا کسی نوع سے کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، حالانکہ حضرت نظام الدین اولیاء سے اُن کی عقیدت بھی ہم جیسے لوگون سے کہیں زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ تاج العروس میں بدن کے مادہ کی تشریح میں انھوں نے پہلے بدایوں سے علمی دنیا کو روشناس کرایا ہے، پھر نہایت احترام و تعظیم کے ساتھ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے مرزبوم بداؤن کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے،

بداؤن بفتح الباء وضم الواو	بداؤن، بفتح بار اور بضم واو، ہندوستان
مدینۃ بالھند منھا الشیخ العارف	میں ایک شہر ہے جہاں کے رہنے والے

باللّٰہ تعالیٰ محمد بن احمد الخالدی	شیخ عارف باللہ محمد بن احمد خالدی المعروف
الشہیر بنظام الاولیاء نفعنا	بہ نظام الاولیا ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی
اللّٰہ تعالیٰ ببرکاتہ،	برکات سے ہمیں بہرہ ور فرمائے،

العباب الزاخر اگرچہ پوری ہماری نظر سے نہیں گذری ہے لیکن اس کی متفرق سات جلدیں بالاستیعاب مطالعہ سے گذر چکی ہیں اس میں بھی صغانی کے متعلق بعض مفید باتیں ملتی ہیں مگر کہیں بدایوں یا اس سے نسبت کا نام تک نہیں آیا ہے،

مجمع البحرین صغانی کی حدیث کے علاوہ ایک کتاب لغت میں بھی مشہور ہے جو سید مرتضیٰ بلگرامی کو نہیں مل سکی تھی، یہ کتاب بھی پوری ہمارے مطالعہ سے گذر چکی ہے، اس میں صغانی نے بدن کے مادہ میں بھی بدایون سے نسبت کا کیا ذکر اس کا نام تک نہیں لیا ہے، ان وجوہ سے ہمیں ان کے بدایوں سے انتساب میں تامل رہا ہے،

خواجہ نظام الدین اولیاء کو صغانیؒ سے دو واسطوں سے تلمذ کی سعادت حاصل رہی ہے اس لئے جمہور مورخین کے قول پر خواجہ نظام الدین اولیاء کے سابقہ بیانات اور آگے آنیوالے اقتباس کی مجبوراً معقول تاویل کرنا پڑتی ہے، اور تصحیف کے بجائے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ صغانی نے بدایون میں بھی جاکر کسی مروے بزرگ صاحب ولایت" سے کچھ پڑھا ہوا گر ایسا ہے تو یہ غالباً کول کی آمد سے پہلے کا واقعہ ہے، جمہور مورخین کے قول پر اس وقت صغانی کی عمر مشکل سے ۱۶ - ۱۷ برس کی ہوتی ہے، گویا یہ زمانہ اُن کی تحصیل علم کا زمانہ تھا، خواجہ نظام الدین اولیاکے بعض بیانات سے ہماری اسی تاویل اور توجیہ کی مزید تائید ہوتی ہے، چنانچہ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:

"بعد ازاں دنبال زیادت تحصیل شد"[1]

---

[1] ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۰۴

قیام کول کے زمانہ میں صغانی کو تحصیلِ علم کا شوق ہوا اور انھوں نے مکہ میں جاکر حدیث کا درس لیا، ۶۰۲ھ میں جب وہاں سے واپس آئے تو قطب الدین ایبک نے آپ کے سامنے لاہور کا عہدۂ قضا پیش کیا، مگر آپ نے اُسے قبول نہیں کیا،

فوائد الفواد کے ان اقتباسات سے بعض اہلِ علم کو یہ شبہہ بھی ہوا ہے جو کسی طرح قابلِ قبول نہیں کہ بدایوں اس زمانہ میں اتنا مشہور نہ تھا، جتنا لاہور تھا، اس لئے ہوسکتا ہے بیرونی مورخوں نے آپ کا تولد بدایون کے بجائے لاہور لکھ دیا ہو، یہ شبہہ اس وقت درست ہوسکتا تھا جب صغانی کے تذکرہ نگار تنہا غیر ہندوستانی ہوتے یا صغانی کی اس بارے میں کوئی تصریح موجود نہ ہوتی، یا ہندوستان کا کوئی تذکرہ نگار اُن کا تذکرہ قلمبند نہ کئے ہوتا، مگر ان کی تذکرہ نگاری کا فخر ہندوستان کے بعض نہایت نامور مورخوں اور راویوں کو بھی حاصل رہا ہے، اور خود صغانی کی تصریح بھی موجود ہے۔ ایسی حالت میں یہ گمان کیونکر کیا جاسکتا ہے ؟

خلیق احمد صاحب نظامی اور جناب ضیا احمد بدایونی نے فوائد الفواد کے جس جملہ سے صغانی کے بدایونی المولد ہونے پر استدلال کیا ہے، اس کی واضح تردید اوپر گذر چکی، اور یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ صغانی کا مولد لاہور ہے جیساکہ خود صغانی کے بیان سے ثابت ہے؛

خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا یہ بیان "آوازہ بداؤن بود" مولد ہونے کی دلیل نہیں ہے، اہلِ علم جانتے ہیں کہ یہ پیرائیہ بیان ہمیشہ مولد ہونے کی دلیل نہیں ہوتا، اس لئے اس جملہ سے صغانی کے بدایونی الاصل ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، صغانی کو صغان سے جو آبائی تعلق رہا ہے وہی اُن کا طرۂ امتیاز اور سرمایۂ افتخار رہے جیساکہ اُن کے اس شعر سے عیاں ہے،

فقلت یا دهرُ سالمنی مسالمةً فاننی عمریٌ ثمّ صاغانی [۵۱]

---

[۵۱] تاریخ ثغر عدن ص ۵۰،

اے زمانہ تو میرے ساتھ مصالحت کرلے کیونکہ میں حضرت عمرؓ بن الخطاب کی

اولاد سے ہوں اور وطن میرا اصفہان ہے

یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تا دمِ مرگ اپنے اس خاندانی اور آبائی تعلق کو کبھی فراموش نہیں کیا، اور ہر جگہ اپنی نسبت اصفہانی لکھا اور مورخین اور تذکرہ نگاروں نے بھی اس نسبت کا ہر جگہ خیال رکھا ہے،

خواجہ نظام الدین اولیاء کی بزرگی اور صفائی سے بلا واسطہ تلمذ کے پیش نظر ان کے مذکورۂ بالا کی یہی توجیہ کیجا سکتی ہے کہ اس جملہ میں صفائی کے بدایون سے محض تعلق کا اظہار ہے،

"آواز بداؤن بوؤ" سے اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ یہ تعلق اتنا معمولی تھا کہ جو قابلِ ذکر بھی نہ تھا، اور خود حسن سجزی بدایونی جامع ملفوظات کو بھی اس کا علم نہ تھا حضرت محبوب الٰہی نے انھیں بتایا کہ انھیں ہمارے وطن بدایون سے بھی ایک گونہ تعلق رہا ہے، مگر اس تعلق کی وضاحت سے جامع ملفوظات اور اربابِ تذکرہ دونوں خاموش ہیں،

صفائی جب پہلی مرتبہ بسلسلۂ سفارت دہلی آئے تو یہاں ان کی ملاقات ایک دیرینہ دوست سے ہوئی، دورانِ گفتگو میں زمانہ طالب علمی کا ذکر چھڑ گیا صفائی نے بھی اپنے تحصیلِ علم کے زمانہ کا ایک واقعہ انھیں سنایا اور اللہ تعالیٰ کے ان انعاموں کا تذکرہ کیا جو اس نے ان پر کئے تھے، بقول حضرت نظام الدین اولیاء فرمانے لگے جب ہم بدایوں میں پڑھتے تھے اس وقت ہمارے استاد کے پاس حدیث کی ایک کتاب ملخص نام کی تھی ہمیں اس کے دیکھنے کا بڑا شوق تھا، یہ کتاب ہم نے ان سے مانگی تھی، مگر انھوں نے نہیں دی، ایک وہ وقت تھا کہ ہمیں کتابیں دینے سے بھی گریز کیا جاتا تھا، اور ایک یہ وقت ہے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ نے ایسا کرم کیا ہے کہ اب اس جیسی کتاب کے سینکڑوں لکھنے والے آکر ہم سے پڑھ سکتے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے صفائیؒ کو جو جاہ و منزلت عطا کی تھی، اس نے انھیں معصروں کی نگاہوں میں

محسود بنا دیا تھا، اس لئے کسی بدخواہ نے اُن کا یہ قول اُن کے استاد سے جو اس وقت بقید حیات تھے نقل کر دیا کہ صغانی تو اب آپ کی نسبت بھی یہ کہتا ہے کہ ہمارے استاد نے ملخص دینے سے انکار کیا تھا مگراب اس کتاب کے مصنف جیسے سو آدمی آکر مجھ سے پڑھ سکتے ہیں، یہ سُن کر انھوں نے کہا معلوم ہوتا ہے اس کا حج قبول نہیں ہوا، ورنہ وہ ایسی بات نہ کہتا۔

حضرت محبوب الٰہی فوائد الفواد میں فرماتے ہیں،

"القصہ چوں از آنجا بدہلی آمد، مگر در آنچہ بدایوں بود آنجا او را استادے بودہ است مردے بزرگ وصاحب ولایت بود، بر د کتابے بود، در حدیث کہ آنرا ملخص گویند، مولانا رضی الدین از و طلب نمودہ بود او را دا نسخہ مضائقت نمود، چوں مولانا حصول علم و دفور معنی در دہلی آمد مگر با یارے می گفت کہ وقتے استاد من ملخص از من دریغ داشتہ بود ایں ساعت صد ہمچو صاحب آن کتاب باید کہ پیش من چیزے بخواند کسے ایں سخن با ستاد او رسانید آ گفت نہ ہمانا کہ حج او قبول افتادہ باشد کہ اگر حج او قبول شدہ بودے ایں چنیں سخن نہ گفتے"[۵]

یہاں یہ نکتہ بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا ؒ کا مذکورۂ بالا بیان تمامتر انہی الفاظ پر مشتمل ہے جو کسی بدخواہ نے صغانی ؒ کے استاد سے جا کر کہے تھے،

تاریخ و سیر کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سفرا، جب دربار میں آتے تھے تو وہ اپنے فرائض ادا کرنے کے بعد بار بار دربار میں حاضری کے پابند نہیں رہتے تھے۔ اور عموماً ایسے علماء اور ارباب کمال کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا جنھیں حدیث، فقہ، سیرا ور کلام میں کمال حاصل ہوتا تھا اور وہ سفارت کی حالت میں درس و تدریس اور علم و فن کی خدمت سے گریز نہیں کرتے تھے، اس لئے طالبان علوم جوق در جوق اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر پڑھتے اور حدیث کا سماع کرتے تھے۔ اسی وجہ سے سفیر کی

---

[۵] ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص ۱۰۴،

آمد ایک یادگاری حیثیت اختیار کر لیتی تھی، اور عوام و خواص میں خلیفہ کی ہر دلعزیزی اور شہرت بڑھ جاتی تھی، ارباب تذکرہ اس قسم کے اہلِ علم سفیروں کے حالات میں اُن کی اس علمی فیض رسانی کا تذکرہ خصوصیت سے کرتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم یہاں صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں، تاج الدین عبد الوہاب السبکی المتوفی ۷۷۱ھ فخر الدین ابو علی یحییٰ بن الربیع العمری (جنھیں خلیفۃ الناصر لدین اللہ نے سلطان غیاث الدین محمد بن سام المتوفی ۵۹۹ھ کے دربار میں خلعت دے کر غزنہ بھیجا تھا) کے حالات میں رقمطراز ہیں،

حدث بالکثیر ..... بھراۃ	جب انھیں ایوان شاہی کی طرف سے
وبغزنۃ لما توجہ الیھا	غزنہ سفیر بنا کر بھیجا گیا تو انھوں نے غزنہ
رسولا من الدیوان العزیز[1]	اور ہرات میں بکثرت حدیثیں بیان کیں

مورخ ابن النجار نے ان کے فضل و کمال کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے،

کان اماما کبیرا وفورا نبیلا	آپ بلند پایہ اور باوقار امام تھے، مذہب
حسن المعرفۃ بمذھب الشافعی	شافعیؒ کے بڑے واقفکار اور محقق و مدقق
محققا مدققا ملیح الکلام فی	تھے، جدل و مناظرہ میں بھی دلکش گفتگو
المناظرۃ والجدل مجودا فی	کرتے تھے، علم کلام، ریاضی، اور تقسیم
علم الکلام والحساب وقسم	میراث کے بھی ماہر تھے، اور علم حدیث
الترکات ولہ معرفۃ حسنۃ	میں بڑی معرفت اور بصیرت حاصل
بالحدیث[2]	تھی،

---

[1] ملاحظہ ہو الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ طبع اول مطبعہ حسینیہ مصر ۱۳۲۴ھ ج ۵ ص ۱۶۵ [2] ایضاً کتاب مذکور،

سلطان غیاث الدین کے دربار میں ابن الربیع کی آمد کا تذکرہ منہاج الدین جوزجانی نے بھی کیا ہے، چنانچہ اپنی کتاب طبقات ناصری میں لکھتے ہیں،

"چند کرت از حضرت دارالخلافہ از امیرالمومنین الناصر لدین اللہ خلعت فاخرہ بحضرت سلطان غیاث الدین طاب ثراہ واصل شد کرت اوّل ابن الربیع آمد و قاضی مجدالدین قدوہ باو بدارالخلافہ رفت[1]،

عبداللہ بن عمر المکی نے بھی ظفرالوالہ میں اُن کی آمد کا ذکر ۵۹۵ھ کے واقعات میں کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن الربیع سلطان غیاث الدین کے دربار میں اسی سال آئے تھے، لکھتے ہیں،

کان الناصر لدین اللہ ابوالعباس احمد بن المستضی یراسل غیاث الدین واوّل من وصل الیہ حاجبا من الخلیفۃ ابن الربیع ومعہ خلعۃ الخلیفۃ وفی رجوعہ استصحبہ القاضی مجدالدین قدوہ بمایلیق من جانبہ للخلیفۃ[2]،	الناصر لدین اللہ ابوالعباس احمد بن المستضی" سلطان غیاث الدین کے یہاں قاصد اور سفیر بھیجا کرتے تھے اور سب سے پہلے جو سفیر خلیفہ کی طرف سے گیا، وہ محدّث ابن الربیع تھے وہ اپنے ساتھ خلعت بھی لائے تھے، اُن کی واپسی کے وقت انکے ساتھ قاضی مجدالدین قدوہ سلطان غیاث الدین کی طرف سے خلیفہ کے شایان شان تحائف لے کر بغداد گئے تھے،

ابن الربیع کو سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری المتوفی سنہ ۶۰۲ھ کے دربار میں بھی سفیر بنکر جانے کا فخر حاصل ہے، مؤرخ سبکی طبقات الشافعیہ میں تحریر فرماتے ہیں،

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات ناصری، طبع کلکتہ سنہ ۱۲۶۳ھ ص ۶۰۔ [2] ملاحظہ ہو ظفرالوالہ بمظفر والہ طبع لیڈن سنہ ۱۹۲۰ء ج ۲ ص ۶۶۶،

انّہٗ توفی فی یوم الاحد السابع	ان کا انتقال ۲۷ ذی قعدہ ۶۰۶ھ
والعشرین من ذی القعدۃ	میں ہوا، نماز جنازہ مدرسہ نظامیہ میں
سنۃ ست و ستمائۃ وصلی	پڑھی گئی، میرے نزدیک یہی تاریخ وفات
علیہ یوم الاثنین بالمدرسۃ	صحیح ہے، ابن النجار کے علاوہ بعض مؤرخین
النظامیۃ (قلت) ھذا ھو	نے لکھا ہے کہ انھوں نے خراسان کے
الصواب فی تاریخ وفاتہ و	راستہ میں وفات پائی، جب انھیں سلطان
ذکر غیرہ انہ توفی فی طریق	شہاب الدین کے دربار میں سفیر بنا کر
خراسان لما توجہ رسولاً	غزنہ بھیجا گیا تھا، مگر یہ محض وہم ہے کیونکہ
الی السلطان شہاب الدین	وہ سلطان شہاب الدین کے دربار سے
الغوری الی غزنۃ وھو وھم	۶۰۳ھ ہجری میں بغداد واپس آگئے تھے
فانّہٗ عاد من عند السلطان	اور سال وفات ۶۰۶ھ ہجری تک وہیں
المذکور الی بغداد فی سنۃ	رہے،
ثلاث وستمائۃ واقام بھا الی	
ان توفی سنۃ ست وستمائۃ[۵]	

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سفارت کی خدمت کے لئے کیسے کیسے صاحب فن علماء کا انتخاب کیا جاتا تھا، ابو شامہ المقدسی المتوفی ۶۶۵ھ ہجری نے محدث ابو الحسن علی بن ابراہیم الحنبلی المعروف بہ ابن نجیۃ المتوفی ۵۹۹ھ کے حالات میں لکھا ہے،

یعثۂ نور الدین رحمۃ اللہ علیہ	سلطان نور الدین رحمہ اللہ نے ابن نجیہ

---

[۵] ملاحظہ ہو الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۱۶۵،

رسولاً الی بغداد فی	کو ۶۱۴ھ ہجری میں سفیر بناکر بغداد
سنۃ اربع وستین وخمسمائۃ	بھیجا تھا، اور بغداد میں شیخ عبدالخالق
فسمع بھا عبدالخالق بن احمد	ابن احمد بن یوسف وغیرہ نے اُن سے
بن یوسف وغیرہ[1]	حدیث کا سماع کیا تھا،

ایسا ہی صغانی کے ساتھ ہندوستان میں بھی ہوا، یہاں اُن کے طویل قیام سے قیاس ہوتا ہے کہ سفارت کے عہدہ پران کا تقرر عارضی نہ تھا، بلکہ طویل مدت کے لئے بھیجا گیا تھا، چنانچہ صغانیؒ کا قیام ہندوستان میں سات آٹھ برس سے کم نہیں رہا، اتنی مدت میں یہاں کہاں کہاں قیام رہا، یہ بتانا مشکل ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی ایک جگہ مستقل قیام نہیں رہا، بلکہ انھوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں کی سیاحت کی، جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے،

انی شرّقتُ وغرّبتُ فی الھند	میں ہندوستان اور سندھ کے
والسند نیفا واربعین	شرق و مغرب میں چالیس سال سے
سنۃ،[2]	اوپر گھوما پھرا ہوں،

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں کسی ایک جگہ مستقل نہیں رہے، بلکہ خلیفۂ بغداد کا پیغام سلطان التتمش کو پہنچانے اور فرائض منصبی کی انجام دہی کے بعد مختلف شہروں کی سیاحت کی،

---

[1] ملاحظہ ہو: الذیل علی الروضتین . طبع اول قاہرہ ۱۳۶۶ھ ص ۳۴؛

[2] ملاحظہ ہو تاج العروس لفظ دکنکی

ہندوستان کے اہل علم صغانی کی حدیث دانی سے پوری طرح واقف تھے، اس لئے انھوں نے اُن کی آمد کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا، چنانچہ وہ جہاں جاتے امرا، اور علمار و مشائخ پروانہ کی طرح آپکے گرد جمع ہو جاتے تھے، اور آپ سے حدیث ولغت کی تحصیل کرتے تھے، درس و تدریس کے اس سلسلہ نے عوام وخواص دونوں سے آپ کا رابطہ استوار کر دیا تھا، اور وہ خلیفہ بغداد کے نام اور کام اور اُنکی ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی و محبت سے پوری طرح واقف ہوگئے تھے، (باقی)

مقالات

امام حسن بن محمد الصغانی لاہوری

از

جناب مولانا عبدالحلیم چشتی فاضل دیوبند

(۲)

ہندوستان میں صغانی کے طویل قیام کے اثرات

صغانی کے اس طویل قیام نے خلافت بغداد سے ہندوستان کے رشتہ کو مزید استحکام بخشا اور رجب ۶۲۲ھ میں خلیفہ الناصر لدین اللہ کا انتقال ہوگیا اور خلیفہ الظاہر لدین اللہ سریر آرائے خلافت ہوا تو اس کے سکوں پر بھی بجز خلیفہ کے نام کی تبدیلی کے وہی عبارت ثبت رہی جو خلیفہ الناصر لدین اللہ کے دور میں ہوتی تھی، خلیفہ الظاہر لدین اللہ کا زمانۂ خلافت سال بھر سے کم رہا، ۶۲۳ھ میں اس کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا المستنصر باللہ مسند خلافت پر بیٹھا، تب بھی ان تعلقات میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا، اور حسب دستور وہی عبارت جو گذشتہ خلفاء عباسیہ کے سکون پر رقمزد ہوتی تھی، اسکے دور میں بھی باقی رہی[1]۔

المستنصر باللہ نے تخت نشین ہونے کے بعد صغانیؒ کو بغداد طلب کیا، ہندوستان سے ان کی روانگی کی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ ۶۲۳ھ کے اواخر یا ۶۲۴ھ

[1] ملاحظہ ہو The Sultans of Dehli their coinage and metrology by wright P. U. 1936

کے اوائل میں یہاں سے روانہ ہوئے اور ۶۲۳ھ میں بغداد پہنچے، جیساکہ مورخ ذہبی کا بیان ہے،

ذهب منها بالرسالة الشريفة	ان کو دار الخلافت بغداد سے سفارت
الى صاحب الهند فبقي مدة	کے عہدہ پر ہندوستان کے بادشاہ کے
وقدم سنة اربع وعشرين	دربار میں بھیجا گیا جہاں ایک مدت دراز تک
وستمائة [1]	انکا قیام رہا اور ۶۲۴ھ میں وہاں سے واپس آئے،

صغانی کی بغداد میں آمد | مورخ بغداد کمال الدین ابن الفوطی نے الحوادث الجامعہ میں سال کا تعین نہیں کیا ہے، لیکن اس امر کی تصریح کی ہے کہ صغانی المستنصر باللہ کے زمانہ میں آئے تھے، لکھتے ہیں:

نفذه الخليفة الناصر رسولا	آپ کو خلیفہ الناصر ... نے ہندوستان
الى ملك الهند، فعاد بعد	کے بادشاہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا،
مدة طويلة فى خلافة	تو ایک مدت دراز کے بعد مستنصر باللہ
المستنصر بالله [2]	کے دور خلافت میں واپس آئے،

صغانی کو بعض امور پر گفت وشنید کے لیے بغداد طلب کیا تھا، اس لیے ان کا وہاں زیادہ قیام نہیں رہا اور اسی سال ہندوستان بھیج دیا گیا، الذہبی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں:

ثم اعيد اليها رسولا بها منتين [3]	پھر اسی سال (۶۲۴ھ) میں انکو ہندوستان
	واپس بھیج دیا گیا،

صغانی شعبان ۶۲۴ھ میں بغداد سے روانہ ہوئے تھے، ابن ابی الوفاء القرشی المتوفی

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام ترجمہ حسن بن محمد الصغانی، مخطوطہ کتب خانہ ریاست رامپور، [2] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ طبع بغداد ۱۳۵۱ھ ص ۲۶۶ [3] ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام، ترجمہ حسن بن محمد الصغانی

۶۲۴ھ الجواہر المضیہ میں لکھتے ہیں:

رجع منها سنة اربع وعشرين	وہ ہندوستان سے ۶۲۴ھ میں بغداد آئے
واعيد اليها رسولاً في	اور پھر اسی سال شعبان میں سفیر
شعبان من السنة[1]	ہوکر واپس ہندوستان چلے گئے۔

مورخین کے بیانات اور صغانی کی تصریح کے پیش نظر (جو آگے مذکور ہے) مولانا عبدالحی صاحب کا بیان کہ موصوف رضیہ سلطانہ کے دور میں سفیر ہوکر یہاں آئے تھے، کسی طرح صحیح نہیں، کیونکہ رضیہ سلطانہ ربیع الاول ۶۳۴ھ میں تخت نشین ہوئی، اور صغانی اس وقت بغداد میں نہ تھے، نزہۃ الخواطر میں ہے:

ثم خرج من الهند سنة اربع	پھر وہ ۶۲۴ھ میں ہندوستان سے روانہ
وعشرين وستمائة فحج ودخل	ہوئے، حج کیا اور یمن پہنچے، پھر بغداد
اليمن ثم عاد الى بغداد	آئے، اس کے بعد مستنصر باللہ کے دربار
ثم اعيد الى الهند رسولاً	سے آپ کو ہندوستان سفارت پر
من حضرة المستنصر بالله	سلطانہ ہند رضیہ بنت التمش
العباسي الى رضية بنت	کے دربار میں بھیجا گیا
الايلتمش ملكة الهند[2]	

بصرہ میں ورود اور حضرت عمار عبدیؓ کے مزار پر حاضری

بغداد سے واپسی پر جب صغانی بصرہ میں ٹھہرے تو حضرت عمار العبدی رضی اللہ عنہ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے، مجمع البحرین میں لکھتے ہیں:

[1] ملاحظہ ہو الجواہر المضیہ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ج ۱، ص ۲۰۲ [2] نزہۃ الخواطر ج ۱، ص ۳۸

صحار العبدی[1] رضی الله عنہ	حضرت صحار العبدی رضی اللہ عنہ کو
له صحبة ودفن بظاهر البصرة	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت
نائیا عن البلد قال الصغانی	کا شرف حاصل ہے۔ بصرہ سے باہر
مؤلف هذا الکتاب وقد زرت	شہر سے ذرا دور آپ کا مزار ہے،
قبره فی شعبان من سنة	صغانی اس کتاب کا مولف کہتا ہے
اربع وعشرین وستمائة	میں نے شعبان ۶۲۴ھ میں آپ کی
وصحار بلدة وهی قصبة	قبر کی زیارت کی، صحار چھوٹا سا شہر ہے جو
عمان ممایلی الجبل وتوأم	عمان کے توابع میں پہاڑ سے متصل ہے
قصبتها ممایلی الساحل[2]	اور ان حدود سے ملا ہوا ہے جو ساحل بحر سے

---

[1] حضرت صحار رضی اللہ عنہ قبیلۂ عبدالقیس سے تھے، اسی نسبت سے العبدی مشہور ہوئے، آپ کو حضور اکرمؐ کی زیارت اور صحبت کی سعادت حاصل تھی، انساب پر آپ کی گہری نظر تھی، نہایت سحر طراز خطیب اور بڑے فصیح اللسان بزرگ تھے، جاحظ نے اپنی زندۂ جاوید کتاب البیان والتبیین اور کتاب الحیوان میں فصاحت و بلاغت سے متعلق بہت سی باتیں آپ ہی کے حوالہ سے نقل کی ہیں، آپ بعض کتابوں کے مصنف بھی تھے، ابن الندیم کتاب الفہرست میں لکھتے ہیں:

له من الکتب کتاب الامثال — آپ کی تصانیف میں سے کتاب الامثال بھی ہے

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تصنیف و تالیف کا آغاز ہو چکا تھا، اور ان کے زمانہ میں علم لغت کی تدوین بھی شروع ہو گئی تھی علم الامثال کی تدوین کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ حضرت صحار عبدیؓ کا تذکرہ طبقات ابن سعد سے لیکر اصابہ تک طبقات کی سب کتابوں میں موجود ہے لیکن آپ کے مزار کی اتنی صراحت کہیں نہیں ہے، مجمع البحرین۔ سید مرتضیٰ الزبیدی کو نہیں ملی، اسلئے تاج العروس بھی ان معلومات سے خالی ہے،

[2] مجمع البحرین روٹوگرافی کاپی اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کراچی مادہ صحر،

صغانی کے بعض بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ بحر فارس کے راستہ سے ہندوستان آئے تھے. چنانچہ آتے وقت جزیرۂ خارک میں بھی ٹھیرے تھے. سید مرتضیٰ الزبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ العباب الزاخر کے حوالہ سے تاج العروس میں لکھتے ہیں،

قال الصغانی وقد دخلت	صغانی کہتا ہے کہ میں ۶۲۴ھ میں خارک
خارك سنة ستمائة و	میں بھی گیا ہوں، جب دوبارہ مجھے
اربع وعشرين حين	دار الخلافہ بغداد (اللہ تعالیٰ اس کی
ارسلت ثانية من دار الخلافة	عظمت کو دوبالا کرے) سے سفیر بنا کر
عظمها الله تعالی رسولاً	ہندوستان کے بادشاہ شمس الدین
الی ملك الهند شمس الدين	ایلتتمش (انار اللہ برہانہ کے دربار
ايلتتمش انار الله برهانه[1]	میں بھیجا گیا تھا،

واضح رہے اس مرتبہ صغانی کو تنہا نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ ایک پورا وفد آپ کی سرکردگی میں آیا تھا، یہ وفد ۶۲۵ھ میں ہندوستان کے حدود میں داخل ہوا، اور ۶۲۶ھ میں دہلی پہنچا، یہاں اس کا نہایت شاندار استقبال ہوا، منہاج الدین جوزجانی، طبقات ناصری میں رقم طراز ہیں:

چوں پاے آں قلعہ (اچہ) انصراف فرمود در موافقت حشم منصور آں پادشاہ غازی (ایلتتمش) بحضرت دہلی اجلہا اللہ آمد، و در ماہ رمضان سنہ خمس وعشرین وستمائۃ بحضرت دہلی اہل وصول بود، دریں وقت رسل دار الخلافت با تشریفات دافرہ بحدود ناگور رسیدہ بود، و در روز شنبہ بیست و دوم ماہ ربیع الاول

۱؎ ملاحظہ ہو العباب بحوالہ العروس مادہ خرک

ستہ و عشرین وستمائۃ بحضرت دہلی رسیدند و شہر را آذین بستند و آن پادشاہ و ملوک و فرزندان آن طاب ثراہم و دیگر ملوک و خدم و بندگان ہمہ بخلعت دار الخلافت مشرف گشتند[۱]

یہ وفد خلافت بغداد سے خلعت فاخرہ اور علم وغیرہ لیکر خشکی کی راہ سے آیا تھا، مگر صغانی بحری راستہ سے اس سے پہلے پہنچ گئے تھے، اسی وفد کے متعلق عبد اللہ بن عمر المکی ظفر الوالہ میں لکھتے ہیں: -

كان وصوله إليها في رمضان
من سنة خمس وعشرين و
ثم بلغه وصول رسول الخليفة
إلى ناكور يجهزهم إليه إذا لم يرد
في سنة وعشرين وصل حاجب الخليفة
العباسي أمير المؤمنين المستنصر بالله
أبي جعفر بن الظاهر بخلعة
الخلافة ولواها إلى شمس الدين
فاستقبله وأمر بالزينة
وكان يوماً مشهوداً[۲]

رمضان ۶۲۵ھ میں سلطان التمش دہلی
پہنچا تو اسے خلیفہ بغداد کے ایلچیوں کی آمد کی
اطلاع ملی کہ وہ بغداد سے براہ خشکی بڑے
سامان کے ساتھ ناگور آ گئے ہیں اور
۶۲۶ھ میں خلیفہ عباسی امیر المومنین
مستنصر باللہ ابو جعفر بن الظاہر کی خلعت
اور علم لیکر سلطان شمس الدین التمش کے دربار
میں پہنچے تو خلیفہ نے اس وفد کا استقبال کیا
اور شہر اور دربار کو آراستہ کرنے کا حکم دیا اور
یہ یادگار دن تھا۔

فخر الدین مبارک شاہ نے تصریح کی ہے کہ سلطان التمش نے اس وفد کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا اور خلیفہ بغداد کی خدمت میں کچھ تحائف بھی بھیجے تھے، مگر صغانی واپس نہیں گئے، ان کا قیام یہیں رہا، تاریخ مبارک شاہی میں ہے:

۱؎ ملاحظہ ہو طبقات ناصری مرتبہ عبد الحی حبیبی طبع کوئٹہ ۱۹۴۹ء ج ۲ ص ۵۲۴
۲؎ ملاحظہ ہو ظفر الوالہ بمظفر و آلہ طبع لیڈن ج ۲ ص ...

> در سنہ ست وعشرین وستمائۃ رسولان دار الخلافت جا بھاے مرحمت خلیفہ خلد اللہ خلافتہ براے سلطان مرحوم آوردند سلطان مرحوم چنانچہ شرط اطاعت وخدمتگاری باید بجا آورد با فرزندان وملوک بزرگ بخلعت چندان فرحت وبہجت روے داد کہ در تحریر نیاید، در شہر قبہا بستند وطبل وشادیانہ کوفتند، بعد چندگاہ رسولان دار الخلافت را باعزاز واکرام روان کرد وخدمت بسیار در حضرت دار الخلافت فرستاد[1]

اس مرتبہ بھی صغانی کا قیام مستقل ایک جگہ نہیں رہا، مگر جہاں بھی رہا درس وتدریس کا سلسلہ برابر جاری رہا اور جس خطہ میں بھی آپ کے قدم گئے وہ قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے معمور ہوگیا، ملوک وسلاطین سے لیکر فقراء ومساکین تک سب نے زانوئے تلمذ تہ اور حدیثِ رسول کے نور سے اپنے قلب ونظر کو منور کیا، شیخ فرید الدین محمود بن علی الناگوری المتوفی ۷۵۲ھ سرور الصدور میں لکھتے ہیں:

> ہمدرین ذکر مولانا رضی الدین صغانی را قدس رحمۃ اللہ علیہ صاحب کتاب مصابیح[2] کہ ایشان در ناگور آمدند، می گویند، دستار سخت بسر بستندے، ودر آن باقیہما وزن[3]...

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ مبارک شاہی مولفہ یحییٰ بن احمد السیہرندی مطبع بپٹسٹ مشن کلکتہ ۱۹۳۱ء ص ۱۹،

[2] مصابیح الدجیٰ بھی صغانی کی حدیث میں ایک مشہور اور مقبول کتاب تھی جو اب مشارق الانوار میں محفوظ ہے، اس کا تذکرہ صغانی نے مشارق الانوار کے مقدمہ (طبع آستانہ ص ۴) میں کیا ہے اور لکھا ہے، لوگ اس کے سماع پر ٹوٹے پڑتے تھے، اور اس کے ساتھ بڑا انہماک اور شغف رکھتے تھے [3] ناگور ایک مشہور شہر جو اب جودھپور کے حدود میں واقع ہے، مسلمان حکمرانوں میں سب سے پہلے معز الدولہ بہرام شاہ نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا، طبقات ناصری (طبع کلکتہ ۱۲۶۳ھ ص ۲۲) میں مذکور ہے:

(باقی ص ۱۲ پر)

پوشیدند ے، سخت فاضل وعالم، محدث تام، چنانچہ می گفتند[1] کہ این مصباح الدجیٰ
دریک روز دیک محفل تمام فرد خواندہ کرد، وبزرگان ناگور، قاضی حمید الدین ناگوری
وقاضی کمال الدین وبزرگان دیگر از صد در وملوک از خدمت ایشان سماع کردند
واجازت ور روایت یافتند[2]،

مصباح الدجیٰ کا درس اس طرح ہوتا تھا کہ درس کے وقت جب کوئی نیا اور مشکل
لفظ آجاتا اور شاگردوں میں سے کوئی اس کے متعلق کچھ پوچھتا تو آپ فرماتے، یہ لفظ صحاح
جوہری کی فلاں جلد، فلاں صفحہ اور فلاں سطر میں ہے' دیکھ لو، شیخ فریدالدین ناگوری لکھتے ہیں:

این صحاح لغت را مولانا رضی الدین صغانی بنشستہ جلد کردہ بود ہرجاکہ
نشستے پیش او بودے، ہر کہ را لغتے مشکل شدے، بگفتے در فلاں جلد وفلاں صفحہ وفلاں
سطر این لغت است، یک سبق ہمچنان بودکہ مولانا گفتے، این چنین ملکہ کردہ بود مردان
رنجہا بردہ اند وزحمتہا کشیدہ اند، تا بجا ہی رسیدہ، شما را یگاں می طلبید وانجہ

(بقیہ حواشی ص ۱۱) معزالدولہ بہرام شاہ ...... بطرف ہندوستان غزا کرد و محمد باہلیم را دربست ونہم
رمضان سنۃ اثنی عشر وخمسمائۃ بگرفت وبند کرد و بعاقبتش بگذاشت و ولایت ہندوستان تمام او را داد
بار دیگر عاصی شد و قلعۂ ناگور در ولایت سوالک بحد بیرہ بنا کرد۔"

چونکہ شیخ حمیدالدین ناگوری کے وطن ہونے کا فخر اس شہر کو حاصل رہا ہے، اس لیے یہ ایک خاص شہر
کا مالک ہے، صاحب تاج العروس نے اسی نسبت سے اسکو تاج العروس میں بھی جگہ دی ہے اور لکھا ہے۔

ناکور بفتح الکاف مدینۃ بالھند ومنھا الشیخ حمید الدین الصوفی الناگوری الملقب بسلطان التارکین من قدماء الشیوخ	ناگور بفتح الکاف (گ) ہندوستان میں ایک شہر ہے، حمیدالدین ناگوری یہیں کے رہنے والے تھے جن کا لقب التارکین ہے اور وہ آپ قدماء مشائخ میں سے ہیں،

[5] فی الاصل نیر ابندی [6] فی الاصل وراع، اگر لفظ نہ ہوتا تو ورع بمعنی ورا، درست تھا

(حواشی صفحہ ہذا) [1] فی الاصل [2] فی آرند [2] ملاحظہ ہو سرور الصدور من ملفوظات حمیدالدین المبرور منہ
نورالبدور (مخطوطہ) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ص ۱۱ الف [3] فی الاصل مراہان ،

یافتہ آیہ آنا ہم شکر نمی گویند[1]

صحاح جوہری کا درس | اسی طرح صغانیؒ نے ہندوستان اور سندھ میں صحاح جوہری کا بھی درس دیا ہے جیسا کہ العباب الزاخر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں :

فی هذا الکتاب مما یشا کل ما	اس کتاب (العباب) میں اس قسم کے تمام
ذکرت منیف علی الفی موضع	الفاظ (اغلاط جوہری) جن کا میں نے ذکر
نبهت علیها کلها فی کتابی	کیا ہے وہ دو ہزار سے بھی زیادہ مواقع
التکملة ومجمع البحرین وقد	پر ہیں، میں نے ان پر اپنی دونوں کتابوں
صحح نسخته وحشاها من قرأ	التکملہ اور مجمع البحرین میں تنبیہ کر دی ہے
علی هذا الکتاب بالهند	جن لوگوں نے صحاح جوہری مجھ سے ہندستان
والسند والیمن والعراق[2]	سندھ، یمن اور عراق میں پڑھی ہے انھوں
	نے اپنے نسخہ کی تصحیح اور اس کا تحشیہ بھی
	میرے پاس کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صغانیؒ نے یہاں صحاح جوہری کا درس ہی نہیں دیا ہے، بلکہ اس کی تصحیح اور تحشیہ کا بھی کام کرایا ہے،

صغانی کی سیر و سیاحت اور ریاضت و عبادت | صغانی کے بعض بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کی سیر و سیاحت کا دائرہ مملکتِ اسلامیہ کے حدود تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ دار الحرب میں بھی صغانی کی آمد و رفت رہی ہے اور اکی سیاحت محض سیر و تفریح کے لئے نہ تھی، بلکہ اس کا مقصد نفس کا تزکیہ اور

---

[1] ملاحظہ ہو سیر در الصمد و ربع تکملہ بدا البدور (مخطوط) ص ۲۶۶ [2] ملاحظہ ہو مقدمہ العباب، مخطوطہ راقم السطور منقولہ از نسخہ مولانا عبدالعزیز المیمنی زید مجدہم،

عبادتِ الٰہی میں انہماک اور اشتغال تھا، کیونکہ بلادِ اسلامیہ میں آپ کا جتنے عرصہ قیام رہتا، طالبانِ علوم کا اتنا ہجوم رہتا کہ عبادت و ریاضت کا موقع نہ ملتا، اس لئے آپ کبھی کبھی اس کام کے لئے دار الحرب میں چلے جاتے، اور عبادت و ریاضت میں اس قدر مشغول رہتے تھے کہ گویا اس عالم قدس کے سوا دنیائے فانی سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے، اس حقیقت کا انکشاف اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ناگور میں علماً فقرا اور اعیانِ مملکت آپ سے مصباح الدجیٰ کا سماع کر رہے تھے کہ آپ کے ایک دوست نے آپ سے درخواست کی کہ کچھ علم تصوف کی بھی تعلیم دیجئے، آپ نے فرمایا اس وقت میں درس حدیث میں مشغول ہوں فرصت نہیں، اگر تمھیں اس کی طلب ہے تو میرے ساتھ ایسے مقامات پر چلو جہاں مسلمانوں کی حکومت نہ ہو وہاں تمھیں بتاؤں گا تصوف کیا ہے، اس دوست کی طلب صادق تھی، اس لئے گجرات کے سفر میں آپ کا رفیق سفر ہوا، وہاں آپ نے . . . . عملاً یہ بتلایا کہ تصوف عمل اور اخلاص کا اعلیٰ نمونہ اور استقامت وصفت احسان کا دوسرا نام ہے، اس کا تعلق سراسر عمل سے ہے گفتار اور قال سے نہیں، تصوف کی حقیقت عمل ہی کی راہ سے منکشف ہوتی ہے، اگر اس میں کمال پیدا کرنا ہو تو تم اسی طرح عبادت کرو جس طرح مجھے دیکھتے ہو، جیسا کہ حدیث میں ہے صلوا کما رأیتمونی اصلی (اسی طرح سے نماز پڑھو جس طرح سے تم مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو) یہ شخص ریاضت و عبادت میں آپ کا استغراق و انہماک دیکھ کر حیران رہ گیا، اور جی چھوڑ بیٹھا، سرور الصدور میں اس کی پوری تفصیل ہے،

"وہم دریں فرمودند، کہ اورا یارے بود کہ از خدمت مولانا رضی الدین علیہ الرحمۃ علم تصوف درخواست کرد کہ وے را بیاموزند چیزے از آن علم، خدمت ایشاں فرمودند کہ مرا این جا مشغولی است کہ خلق ناگور دریں وقت از من علم احادیث می شنوند و مرا فرصت نیست کہ دریں میان ترا علم تصوف بیاموزم اگر می خواہی کہ ایں علم بیاموزی دریں سفر ہا کہ می رویم، و دریں بلاد کفار کہ آنجا[1]

[1] فی الاصل کنارا

این چنیں انبوہے نباشد، بیائی تا ترا این علم بیاموزم می گویند چوں ایشاں دار الحرب رسیدند چنانچہ جالور[1] و گجرات[2]، و دریں روز ہا دستار[3] و دراز پیچید در بغچہ با خریطہ نہادہ و پیراہنے کوتاہ بپوشید و نعلین در پائے کرد و کوزہ آب برگرفت و در نماز و طاعت مشغول شدہ و مے رفت تا روزے ایں مرد گفت کہ آخر نہ من از خدمت شما علم تصوف می خواہم کہ بیاموزم و شما گفتہ بودید کہ چوں بدیں بلاد برسیم کہ فراغت باشد از دیگر گفت و شنود ترا از آں علم چیزے بیاموزم خدمت گفتند بدانکہ علم تصوف بقال نیست، بکال است، چنانکہ من می کنم و مرا می بینی در نماز می گذارم و کارہا دیگر چنانچہ از من[4] می بینی تو نیز ہمچنیں می کن کہ علم تصوف بکردنست نہ گفتن کہ تصوف ایں است،

صوفیاء اور علماء کا یہی وہ عمل تھا جس نے سخت سے سخت تر قوم کو بھی حلقہ بگوش اسلام بنا دیا تھا، اسی طویل اقتباس کا ایک ٹکڑا جناب خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں سرور الصدور ہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کی نسبت موصوف کا خیال ہے کہ اس واقعہ کا تعلق شیخ حمید الدین ناگوری سے ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"شیخ حمید الدین ناگوری نے علم حدیث کو علم تصوف سے زیادہ اہمیت دی اور اپنا بیشتر وقت اسی میں صرف کیا، ایک دن اپنے ایک مرید سے فرمانے لگے"

---

[1] جالور، جودھپور میں ایک چھوٹا سا شہر ہے یہ وہی مقام ہے جہاں علاء الدین کے لشکر نے خمس کا مطالبہ کیا تھا تفصیل کے لئے دیکھو ظفر الوالہ بمظفر والہ طبع لیڈن ج ۲ ص ۵۰۵، [2] گجرات پورے طور پر علاء الدین خلجی کی فتوحات کے بعد ۶۹۶ھ میں اسلامی قلمرو میں شامل ہوا ہے، اسی لئے اس کو دار الحرب سے تعبیر کیا ہے تفصیل کے لئے دیکھو مرآۃ احمدی از محمد خاں بہادر طبع کلکتہ ۱۹۲۸ء ج ۱ ص ۲۲ [3] فی الاصل دستار و دراغ پیچید و [4] فی الاصل از بینی،

مرا ایں جا مشغولی ست کہ خلق ناگور در یں	مجھے یہاں یہ مشغولیت ہے کہ آج کل ناگور
وقت از من علم احادیث می شنوند و مرا	کے لوگ مجھ سے علم حدیث سنتے ہیں مجھے
فرصت نیست کہ درین میان ترا علم تصوف	فرصت نہیں کہ اس دوران میں تجھے علم
بیاموزم، (تاریخ مشائخ چشت ص۱۹۴)	تصوف سکھاؤں،

ہم نے جو اقتباس پیش کیا ہے اس میں کہیں اس امر کا کوئی اشارہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ اس واقعہ کا تعلق شیخ حمید الدین ناگوری سے ہے۔

جب ۲۰ رشعبان ۶۳۳ھ میں سلطان التمش کا انتقال ہوگیا تو اس کی اولاد میں خانہ جنگی ہوئی، آخر کار اس کا منجھلا لڑکا رکن الدین حریفوں پر غالب آیا، اور فیروز شاہ لقب اختیار کرکے تخت سلطنت پر متمکن ہوا، مگر اس کا دورِ حکومت پر آشوب گذرا، یہ خود سر، سخت گیر اور عیش پرست تھا، مگر اُس نے خلیفۃ المومنین کی نیابت اور اطاعت سے سرمو انحراف نہ کیا، اس کے دور کے ڈھلے ہوئے سکوں پر ناصر المومنین کے الفاظ اس امر کا بین ثبوت ہیں ہمیں یہ کہنے میں ذرا تامل نہیں کہ صغانی کے اس طویل قیام نے خلیفۃ المسلمین کا احترام ہی مسلمانوں کے دلوں میں زندہ نہیں کر دیا تھا، بلکہ اُن میں یہ جرأت بھی پیدا کر دی تھی کہ اگر کسی کو سلطان وقت سے داد رسی میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی کا اندیشہ ہوتا تھا تو وہ پادشاہِ وقت سے یہ کہنے میں ذرا نہیں جھجکتا تھا، کہ اگر ہماری داد و فریاد نہیں سُنی گئی، یا جو ظلم و ستم ہم پر ہوا ہے اس کا بدلہ نہیں لیا گیا تو ہم بغداد جاکر خلیفہ سے داد خواہی کریں گے، تاج الدین ریزہ جو ایک ملنسار، شگفتہ مزاج اور پرگو شاعر تھا، جب اس کے کسی دشمن نے اسے زدوکوب کیا تو اس نے ان مظالم کی ایک داستان نظم کی اور منظوم فریاد اپنے ممدوح سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے دربار میں پیش کی جو اس طرح سے شروع کرتا ہے،

بفریاد آمدم اینجا بفریاد   مگر شاہ جہاں دادم دہد داد

اور آگے لکھتا ہے،

اگر دادِ ستم این ستم را ردم زمین خاک خون آشام بر باد
ز آب چشم امیرالمومنین را نمایم دجلۂ دیگر بہ بغداد[1]

رکن الدین فیروز شاہ کی سخت گیری عیش کوشی اور سرمستی نے جلد ہی اعیانِ مملکت اور ارباب اقتدار کو اس سے برگشتہ کر دیا اور سب نے سازش کرکے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، یہ اُن کی سرکوبی کے لئے نکلا مگر اس کے ساتھیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کی بہن رضیہ کو تخت سلطنت پر لا بٹھایا، اُس نے اسے بھی قید کرا دیا، اور بحالت قید ہی ۶۳۴ھ میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا، جب زمامِ کار رضیہ سلطانہ کے ہاتھ میں آگئی، اور یہاں کی سیاسی فضا مکدر ہو گئی تو معلوم ہوتا ہے صغانی حج کی اجازت لے کر حجاز چلے گئے اور غالباً ۶۳۴ھ میں حج کیا اور کچھ عرصہ کیلئے وہیں ٹھہر گئے،

(باقی)

مقالات

امام حسن بن محمد الصّغانی لاہوری

از جناب مولانا عبد الحلیم صاحب چشتی فاضل دیوبند

(۷)

رضیہ کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد معلوم ہوتا ہے صغانی کو ہندوستان کا قیام پسند نہیں رہا اور آپ ۶۳۴ھ میں حج کے ارادہ سے حجاز روانہ ہوگئے، یہ بات وثوق سے تو نہیں کہی جا سکتی کہ آپ نے اسی سال حج کیا یا ۶۳۵ھ میں یہ سعادت نصیب ہوئی، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صفر ۶۳۵ھ تک آپ کا قیام حجاز ہی میں رہا، کیونکہ آپ نے یہیں رہ کر تکملۃ الصحاح کو مکمل کیا تھا، آستانہ (ترکی) میں صغانی کے قلم کا لکھا ہوا تکملۃ الصحاح کا جو نسخہ محفوظ ہے اس کے خاتمہ پر تحریر ہے،

فرغ من تالیفہ امام بیت اللہ	مولف اس تکملہ کی تالیف سے بیت اللہ شریف
الحرام صبیحۃ یوم الجمعۃ وقت	کے سامنے صبح کو جمعہ کے دن بیت اللہ کا
فتح باب بیت اللہ الحرام العاشر	دروازہ کھلنے کے وقت دس صفر ۶۳۵ھ
من صفر سنۃ خمس وثلاثین	کو فارغ ہوا،

سلہ ملاحظہ ہو تہذیب الصحاح (مقدمہ از عبد الغفور عطار طبع دار المعارف مصر ۱۳۷۱ھ ص ۹۴ وصحاح اللغۃ للجوہری (مقدمہ احمد عبد الغفور عطار) دار الکتاب العربی مصر ۱۹۵۶ء ص ۱۲۹

صحاح جوہری کا تکملہ پورا کرنے کے بعد حجاز سے ہندوستان واپس آگئے،

اسلام نے چونکہ عورت کو امام اور خلیفہ کے اختیارات کا مستحق قرار نہیں دیا ہے، اس لیے اہل علم نے رضیہ کی حکمرانی کو کبھی اچھی نظروں سے نہیں دیکھا، اسی لیے صغانی کو بھی یہاں کا قیام پسند نہ تھا، چنانچہ اس کے تخت شاہی پر متمکن ہونے کے بعد ہی یہاں سے رستگاری کی تدبیریں شروع کر دیں لیکن رضیہ نے برسراقتدار ہونے کے بعد خلافت بغداد سے تعلقات میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے دیا تھا، اس لیے آپ کی خواہش کے باوجود آپ کو بغداد نہیں بلایا گیا، مگر صغانی یہاں کا قیام اپنے لیے ایک قیدخانہ سے کم نہ سمجھتے تھے، (جیسا کہ آیندہ اشعار سے معلوم ہوگا) یہاں سے نکلنے کے لیے اپنے فرزندوں کو بھی لکھا، انھوں نے بھی کوششیں کیں مگر کامیاب نہ ہوسکے، اور خلیفہ مستنصر باللہ نے ان حالات میں آپ کو بغداد بلانا غالباً مصلحت کے خلاف سمجھا اور یونہی ڈیڑھ دو برس کی مدت گذر گئی، اس کے بعد ۶۳۷ھ میں آپ کو بغداد بلایا گیا، ان حالات سے متاثر ہوکر صغانی نے ۹۵ شعروں کا ایک قصیدہ لکھا، جو ہندوستان کی سرزمین میں عربی زبان میں ادبی طرز کا واحد قصیدہ ہے، اس میں صنائع لفظیہ و معنویہ اور الفاظ عربیہ کے باوجود یہ خوبی ہے کہ اس میں آپ نے اپنے حالات قلمبند کیے ہیں، زمانہ کی سازگاری اور ناسازگاری کو بیان کیا ہے، اور شاعرانہ انداز میں آپ بیتی لکھی ہے، یہ پورا قصیدہ تجنیس[1] میں ہے اس لیے کچھ اشعار نمونۃً نقل کیے جاتے ہیں

(۱) انسانی الدھر اعطانی و اوطانی وحطنی وھاد الخسف اوطانی

زمانہ نے (میرے دل سے) میرے وطن اور میری نشست گاہوں (کی یاد) کو بھلا دیا اور مجھے قعر ذلت میں گرا کر روندا ہے،

---

[1] صنائع لفظیہ کے اقسام میں سے ایک قسم کا نام صنعت تجنیس ہے، اسکی بھی کئی قسمیں ہیں جس میں ایک قسم تجنیس تام کہلاتی ہے، یہ ایسی صنعت ہے جس میں دو لفظ انواع حروف، اعداد حروف، ترتیب حروف اور حرکات و سکنات میں متفق اور معنی میں مختلف استعمال ہوتے ہیں، یہ پورا قصیدہ اسی صنعت پر مشتمل ہے،

(۲) وکنت افنیت عمری فی رفاهیة فقطنی ولذیذ العیش انسانی

حالانکہ میں نے اپنی زندگی عیش و عشرت میں گذاری۔ پھر اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور میری پسندیدہ اور خوش زندگی کو بھلا دیا

(۳) وکان قدمنی قدرا واکرمنی فالآن اخرنی غدرا وانسانی

حالانکہ اس نے میری بڑی عزت افزائی کی تھی اور بڑا میرا اکرام کرتا تھا اور اب اس نے مجھ سے بیوفائی کرکے مجھے چھوڑ دیا اور بھلا دیا۔

(۴) وکم غنیت بمغنی العز اشرف اجرنی المجد اذیالی واردائی

میں بہت سے عز و شرف کے مقامات میں رہا ہوں اور مجد و بزرگی میں اپنے دامن اور آستین گھسیٹتا رہا ہوں

(۵) لا استکین لسلطان ولا ملک بعظمه فردانی ثم اردانی

میں کبھی کسی سلطان اور بادشاہ کے آگے اس کے جاہ و جلال کی وجہ سے سرنگوں نہیں ہوا مگر زمانہ نے مجھے پارہ پارہ اور ہلاک کر دیا ہے

(۶) ردنی خائبا صفر الیدین لقی من بعد ماکان بالترحیب حیانی

اس نے مجھے گری پڑی چیز کی طرح نامراد اور خالی ہاتھ لوٹا دیا، حالانکہ وہ پہلے مجھے خوش آمدید اور عمر دراز باد کہہ چکا تھا۔

(۷) وکان احیاء هذا الصقع لی تبعاً فهل یدین من الاحیاء حیان

اور اس زمین پر رہنے بسنے والے میرے فرمانبردار تھے۔ اب کیا دو قبیلے بھی میری اطاعت قبول کر سکتے ہیں اور فرماں بردار ہو سکتے ہیں؟

(۸) ومسنی بالیم الضر معتسفا لما طوی لی اعوانی واعیانی

اور اس نے ظلم پر کمربستہ ہو کر مجھے بڑی دردناک تکلیف پہنچائی ہے، اس نے میرے سرداروں اور ممتاز ساتھیوں کو مار ڈالا ہے

(۹) وکنت اعی زماناعزۃ وسنا فالآن جور زمان السوء اعیانی

میں زمانہ کو عزت اور وقار کے اعتبار سے تھکا چکا تھا، اور اب زمانہ بد کے ظلم وستم نے مجھے تھکا مارا ہے

(۱۰) وکان لو خضعت نفسی لترضیۃ القی القیاد فاعلانی و اسمانی

اور اگر میرا نفس اسکی رضا جوئی کیلئے آمادہ ہوگیا ہوتا تو قیادت میرے ہاتھ میں رہتی اور اس نے مجھے بام عروج پر پہنچایا ہوتا

(۱۱) وحین کنت حدیث السن ذا اشر سنی عطائی واغنانی و اسنانی

اور جس وقت میں نو عمر اور سربلند تھا تو اس نے مجھے انعامات سے سرفراز، مالامال اور ممتاز اور نمایاں کیا

(۱۲) ثم ان در انی اخیرا والتحی غصنی من بعد ما نقضت للشیب اسنانی

پھر اس نے آخر میں مجھے حقیر اور ناکارہ سمجھا اور شاخوں (گوشت پوست) کو نوچنا شروع کر دیا، جبکہ بڑھاپے کی وجہ سے دانت ہلنے شروع ہوگئے اور خراب ہوگئے

(۱۳) وکان دوحۃ عیشی غضۃ زمنا قصیرۃ ذات اغصان وافنان

اور میرے عیش کا برگ و بار والا درخت بہت تھوڑے زمانہ تک ترو تازہ رہا

(۱۴) وکنت مہما ارتجلت الشعر مقتضبا یزری علی ابن ابی النھی وحسان

اور جس وقت میں فی البدیہہ شعر کہتا تھا تو اس کے مقابلہ میں ابن ابی النہی اور (حضرت) حسانؓ کے شعر بے حقیقت معلوم ہوتے تھے

(۱۵) فالآن انی لاعی الناس قاطبۃ مذ ضامنی وجمیع الضیم حسانی

اب میں تمام لوگوں سے زیادہ تھکا ماندہ ہوں، جب سے اس نے مجھ پر ظلم کیا اور ظلم کو مجھے گھونٹ گھونٹ کرکے پلایا ہے

(۱۶) وکان قصری من وافاہ قال لہ یا بانی القصر نعم القصر والبانی

اور میرا محل ایسا تھا کہ جو اس کو دیکھتا تھا، کہتا تھا کہ محل بنانے والا اور محل دونوں خوب ہیں،

(۱۷) فہدہ الدھر ھدا لا نظام لہ ضرب المعول غصن الطلح والبان

پس زمانہ نے جسکا کوئی اصول نہیں ہے اسکو منہدم کر دیا اور ایسی ضرب لگائی جیسے کدال والا ببول اور بان کی

[illegible]

(۱۸) ولی ببغداد دار العز دار بها   ظل الامام الراضی المستنصر ابنانٌ

اور بغداد جو عزو شرف کا گھر ہے اس میں ہمیشہ رعزیز خلیفہ مستنصر باللہ کا سایہ رہا وہاں میرے دو لڑکے ہیں

(۱۹) وها انا الآن کرهاً لا طواعیةً[1]   بالهند والسند ذو عدن دا بنان

اور میں اسوقت خوشی سے نہیں، مجبوری سے ہندوستان اور سندھ میں اقامت گزین اور مقیم ہوں،

(۲۰) ان کان غیری فی خفض وفی دعة   یخلو بدف ومزمار دعیدان

میرے علاوہ اور لوگ عیش و عشرت میں ہیں اور خلوت میں دف، بانسری اور باجوں کے مزے لے رہے ہیں،

(۲۱) فلی من الدهر فی یومی ولیلته   من التهدد فی غیظ وعیدان

میرے لیے زمانہ کی طرف سے شب و روز میں غضبناک تهدید اور دو وعیدیں ہیں (ایک صبح اور ایک شام)

(۲۲) وکنت من قبل لو همت بدائرة   صرفت دهری علی حر انا الثانی

حالانکہ میں پہلے ایسا تھا کہ اگر زمانہ اپنی گردش میں کسی شریف اور آزاد مرد پر لانا چاہتا تو میں اسکا منہ پھیر دیتا تھا،

(۲۳) امر عیشی ما قاسیت فی سفری   من بعد ما کان حلاه وحلانی

میری زندگی کا سب سے تلخ حصہ وہ ہے جو میں نے اپنے سفر میں گذارا، جبکہ اس سے پہلے زمانہ نے اسکو

خوشگوار اور شیریں تر بنا دیا تھا۔

(۲۴) معطلا جسمی المرهون منتقیا   من بعد ما کان حلاه وحلانی

اب وہ میرے نحیف و کمزور جسم کو بیکار کر چکا ہے، جب کہ پہلے اسکو سنوارا اور مجھکو مزین کر چکا تھا

(۲۵) وعاد قوتی کفا من نوی حشف   وکان من صدر دراج وحملان

اور اب میری خوراک ایک مٹھی بھر کھجور رہ گئی ہو حالانکہ پہلے تیتر اور بکرے کے سینہ کا گوشت میری خوراک تھی،

(۲۶) یا قرتی عینی الند بین ان تجدا[2]   بدا الی فلت ماسور فحلانی

اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک، شریف و دانا فرزندو! اگر تم میں ایک قیدی کے چھڑانے کی طاقت ہو تو تم مجھے چھڑا لو۔

---

[1] یہ اور اس سے پہلے والا شعر ہمارے اس دعوی کی کہ یہ قصیدہ یہیں لکھا گیا ہے، نہایت بین دلیل ہے۔ [2] یہ شعر سلطانہ رضیہ کے دور قیام کی پوری پوری غمازی کر رہا ہے، اور اس دعوی کی صریح دلیل ہو کہ قصیدہ یہیں نظم ہوا ہے۔ اسی لیے ہم نے اسکو ... ... کیا ہے۔

(۲۷) من بعد ما ربی طولا واکرمنی — قولا واجزل لی نولا وفتانی

اس کے بعد کر زمانہ نے مجھے بڑی ناز و نعمت سے پالا، زبان سے بڑا اکرام کیا، بڑے بڑے انعامات سے نوازا، جوان کیا، طاقتور بنایا، جوانمردی اور سخاوت کا جامہ پہنایا

(۲۸) حتی اذا صرت اخشی الذئب من کبری — الاذنی بصفیق الوجه فتان

یہاں تک کہ جب میں بڑھاپے کی وجہ سے ایسی حالت میں ہوگیا کہ بھیڑیے سے ڈرایا جائے تو اس نے مجھے اپنے فتنہ انگیز چہرے کی پناہ میں لے لیا

(۲۹) وکنت من قبل من اودعته ذهبا — کانما حاطه للحفظ برجان

اور پہلے میں جس کے پاس سونا امانت رکھا تھا تو گویا اس کی حفاظت کے لیے دو برج ہوتے تھے۔

(۳۰) والآن کل من استودعته اهبا — الص من سارق العربان برجان [1]

اور اب ہر وہ شخص جس کے پاس میں کچا چمڑا امانت رکھتا ہوں تو وہ عربوں کے برجان نامی چور سے بھی زیادہ چور نکلتا ہے

(۳۱) فقلت یا دهر سالمنی مسالمة — فاننی عمری ثم صاغانی

میں نے زمانہ سے کہہ دیا ہے کہ تو مجھ سے پوری مصالحت کرلے، ورنہ جان لے کہ میں عمرؓ بن خطاب کی اولاد سے ہوں اور صاغانی ہوں

(۳۲) فانصاع ینقاد اذعانا و سالمنی — ومد ضبعی وناغانی وصاغانی

اب وہ سچا منقاد ہوگیا ہے، اس نے مجھ سے مصالحت کرلی ہے، میرے بازو پھیلا دیے ہیں، مجھ سے قریب اور میری طرف ہمہ تن گوش ہوگیا ہے۔

---

[1] یہ بھی ضرب المثل اسرق من برجان سے اخوذ ہے، برجان نامی کوفہ میں ایک چور تھا جسے چوری کے جرم میں پھانسی کی سزا ہوئی تو سزا کے موقعہ پر بھی چوری سے باز نہیں رہا۔ ملاحظہ ہو مجمع الامثال از مجمع کرمانی طبع طہران ۱۲۹۰ھ ص ۳۰۶

(۳۲) فصار شکوای شکرا والجوی فرحاً والعتب عتبی وفاداتی وناجانی[1]

اسلیے اب میرا شکوہ شکر سے اور غم خوشی سے بدل گیا اور ناراضگی رضامندی میں تبدیل ہوگئی اور اس نے

مجھ سے سرگوشیاں کیں اور کہا میں تیرے قربان!

(۳۳) وذاک للصفح منی عن جنایته والصفح یجدی کثیراً ان جنی جانی[2][3]

یہ تبدیلی اسلیے ہوئی کہ میں نے اس کے قصور سے درگذر کیا اور گنہگار کے گناہ سے درگزر کرنا بڑا فائدہ مند ہوتا ہے،

یہاں یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ ہندوستان میں سفارت کے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے صغانی کو کبھی ملکی معاملات سے کوئی سروکار نہیں رہا تھا، وہ لغت کے امام اور فن حدیث کے ناقد تھے اور یہی ان کا اصلی مذاق تھا، لیکن اس زمانہ کے طریقۂ تعلیم کی یہ خوبی تھی کہ ایک عالم کو جس قسم کی خدمت سپرد کی جاتی تھی، اس کو انجام دے سکتا تھا، صغانی نے قیام ہندوستان کے زمانہ میں ہندوستان کے خلافتِ بغداد سے تعلقات ایسے مستحکم اور استوار کر دیے تھے کہ سفارت کا تعلق ختم ہونے کے بعد بھی خلفاء کی عظمت بادشاہوں کے قلوب میں بدستور قائم رہی اور خلافت بغداد کی تباہی بھی ایک زمانہ تک اس کی یاد ان کے دل سے فراموش نہیں کراسکی اور شاہان ہند خلفاء کا نام اپنے سکوں پر برابر لکھواتے رہے اور ان کی نیابت کا دم بھرتے رہے،[4]

صغانی کے ہندوستان میں قیام کی مجموعی مدت

صغانی کی زندگی کے واقعات چونکہ تذکروں کی کتابوں میں مرتب نہیں ہیں اور جن ارباب تذکرہ نے کہیں کہیں سنہ کا تعین کیا ہے، ان میں سے بعض خود صغانی کی تصریح کے خلاف ہیں، صغانی کا بھی یہی دستور ہے کہ کہیں تو معمولی معمولی واقعات پر بھی

---

[1] فی الاصل تادانی [2] فی الاصل الکثیر [3] یہ پورا قصیدہ ابن ابی مخرمہ نے تاریخ ثغر عدن میں مجد الدین فیروزآبادی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو تاریخ ثغر عدن طبع لیڈن ۱۹۳۶ء ج ۲ ص ۸ [4] ملاحظہ ہو

The Coinage and Metralugy of The Sultan of Dehli by H.N. Wright. Dehli: 1936

سنہ کو لکھ دیتے ہیں اور کہیں اہم مواقع پر بھی سنہ کا ذکر نہیں کرتے، چنانچہ عنبر مچھلی کی کھال کی جو
بنوائیں تو اس کا سنہ لکھ دیا، لیکن مجمع البحرین کی تالیف کا کام کس سنہ میں شروع کیا اور
ختم ہوا، اس کا پوری کتاب میں کہیں کوئی تذکرہ نہیں، اسی طرح مشارق الانوار اور العباب
کی تاریخ تحریر کا بھی کچھ پتہ نہیں، ایسی صورت میں واقعات کی ترتیب اور سنین کی تعیین
جو دشواریاں پیش آئی ہوں گی وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں. تاہم جہاں تک واقعات کے
میں سنین کا سراغ مل سکا ہے انھیں نقل کر دیا گیا ہے، لیکن صغانی کا کل قلمی سرمایہ پیش
نہیں ہے، اس لیے ممکن ہے کہیں اور بھی سنین کا ذکر آیا ہو، جن واقعات میں سنین کو نقل کر
ہے وہ گذر چکے ہیں، اگر ان سنین کو سامنے رکھا جائے تو جمہور مورخین کے قول پر صغانی کے
بیان الی شرقت وغربت بالھند والسند نیفا وار بعین سنة کی صحت اسی
ممکن ہے جب ان کے بچپن کے ابتدائی دس سال لاہور ہی میں تسلیم کیے جائیں (جس کی تردید
کے لیے کوئی واضح دلیل موجود نہیں) کیونکہ اس صورت میں صغانی کے ہندوستان اور سند
میں قیام کی مجموعی مدت ۴۱ اور کسور کو شامل کرنے کے بعد ۴۲ سال پوری ہو جاتی ہے،

صغانی ۶۳۷ھ میں ہندوستان کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہکر بغداد چلے گئے، مورخ ذہبی تاریخ
الاسلام میں رقمطراز ہیں،

قدم بسنة اربع وعشرين ثم	صغانی ۶۲۴ھ میں بغداد آئے، پھر سفیر
اعيد اليها رسولاً عامئذ فما	ہوکر اسی سال ہندوستان واپس چلے گئے
رجع الى بغداد سنة سبع وثلاثين[۱]	اور ۶۳۷ھ تک بغداد واپس نہیں آئے۔

ذہبی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ۶۳۷ھ میں صغانی حجاز جاتے

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام تذکرہ حسن بن محمد الصغانی، مخطوطہ رضا لائبریری رامپور۔

اور ۶۳۵ھ میں وہاں سے واپس آتے ہوئے بغداد نہیں گئے تھے، بلکہ حجاز سے سیدھے ہندوستان آگئے تھے، اس سے مولانا عبدالحئی لکھنوی کے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ انھیں خلیفۂ بغداد نے سلطانہ رضیہ کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا تھا[1] جیسا کہ گذر چکا۔

کدراء میں ورود صغانی ہندوستان سے جاتے ہوئے یمن کے ایک شہر کدراء میں بھی اترے تھے، چنانچہ مجمع البحرین میں فرماتے ہیں:

الکدراء[2] بلدۃ بالیمن علی وادی	کدراء یمن کا ایک شہر ہے جو وادی سہام
سہام والیہا ینسب الادیم	کے پاس آباد ہے، کچا چمڑا اس کی طرف منسوب
قال الصغانی مولف ھذا الکتاب	ہے، صغانی اس کتاب کا مولف کہتا ہے
وقد وردتہا سنۃ سبع وثلاثین	میں ۶۳۷ھ میں ہندوستان سے بغداد
وستمائۃ منصرفی من الھند الی	(اللہ تعالے اس کو اپنی حفاظت میں
مدینۃ السلام حماھا اللہ تعالیٰ[3]	رکھے) جاتے وقت یہاں اترا تھا۔

کدراء سے بغداد گئے تھے۔

بغداد میں آمد اور رباط مرزبانیہ کی صدارت صغانی نے ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں تصوف میں جو مقام حاصل کیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب آپ بغداد پہنچے تو خلیفہ مستنصر باللہ نے آپ کو رباط المرزبانیہ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) کا صدر مقرر کیا، صغانی مجمع البحرین میں رقمطراز ہیں:

المرزبانیۃ قریۃ علی نہر عیسیٰ	مرزبانیہ نہر عیسیٰ کے پاس اور محول کے بالائی
فوق المحول بنی بہا الامام الناصر	حصہ میں ایک بستی ہے، الناصر لدین اللہ قدس اللہ روحہ

---

[1] نزہۃ الخواطر طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ج ۱ ص ۱۳۸ [2] معجم البلدان ج ۴ ص ۲۲۳ [3] مجمع البحرین (روٹوگراف کاپی) اسلامک ریسرچ انسٹیٹوٹ کراچی، مادہ "کدر"

لدین اللہ قدس اللہ روحہ
دارا و رباطا لاہل التصوف
تقبل اللہ منہ وجعلنی الامام
المستنصر باللہ انار اللہ برہانہ
شیخ ذالک الرباط واوزعنی شکر
نعمہم[1]

نے یہاں ایک مکان اور صوفیوں کے لیے
ایک سرائے بنوائی تھی، اللہ تعالیٰ ان کی اس
خدمت کو قبول فرمائے، خلیفہ مستنصر باللہ
نے (اللہ تعالیٰ اس کی خلافت کو برقرار رکھے)
مجھے اس سرائے اور خانقاہ کا صدر بنایا اور
اللہ تعالیٰ مجھے ان نعمتوں پر شکر کی توفیق عطا فرمائے،

مرزبانیہ بغداد کی ایک بستی کا نام ہے جو اپنی سرسبزی اور شادابی میں مشہور تھی، خلیفۂ بغداد الناصر لدین اللہ چونکہ شیخ شہاب الدین عمر بن محمد السہروردی المتوفی ۶۳۲ھ کا بڑا عقیدتمند تھا، اور ان کے فضل و کمال اور زہد و ورع سے اتنا متاثر تھا کہ مسلمان بادشاہوں کے دربار میں ان کو سفیر بنا کر بھیجتا تھا، اس لیے اس نے آپ کے رہنے کے لیے ایک نہایت کشادہ اور عالیشان مکان تعمیر کرایا، جس میں حمام بنوایا اور باغ لگوایا اور ایک سرائے اور خانقاہ تعمیر کرکے فقراء اور اہل اللہ کے لیے وقف کی، یہی وہ سرائے ہے جو رباط المرزبانیہ کے نام سے مشہور تھی، ابن الفوطی المتوفی ۷۲۳ھ شیخ شہاب الدین سہروردی کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

بنی لہ الخلیفۃ الناصر لدین اللہ
رباطا بالمرزبانیۃ علی نہر عیسی
وبنی الی جنبہ دارا واسعۃ
وحماما وبستانا یسکنہا باھلہ
ونفذہ الخلیفۃ رسولا الی

خلیفہ الناصر لدین اللہ نے آپ کے لیے ایک سرائے
مرزبانیہ میں نہر عیسیٰ کے کنارے تعمیر کرائی تھی،
اور اس کے پہلو میں ایک نہایت کشادہ
مکان اور حمام بنوایا اور باغ لگوایا تھا،
یہاں آپ اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتے تھے،

---

[1] بحوالہ مجمع البحرین اور [illegible]

عدۃ جہات وکان الملوک الذین	خلیفہ نے آپ کو مختلف شہروں میں سفیر بناکر
یرد علیھم بہا الغون فی اکرامہ	بھیجا تھا، جن بادشاہوں کے دربار میں
وتعظیمہ واحترامہ اعتقاداً	آپ جاتے تھے وہ حصول برکت کے لیے اور
فیہ وتبرکا[۱]	اراد تمندی کی وجہ سے آپ کی تعظیم وتکریم کرتے تھے،

شیخ شہاب الدین سہروردی شافعی المذہب عالم اور بڑے خدا ترس بزرگ تھے، اگرچہ علامہ سبکی بعض مسائل ان کے تفرد کی وجہ سے ان سے زیادہ خوش نہیں ہیں[۲]، انھوں نے خلیفہ ناصر لدین اللہ سے تف کے وقت غالباً یہ شرط کرالی تھی کہ اس کا صدر ہمیشہ شافعی المذہب عالم ہوگا، صغانی کو ن شرط کا علم نہ تھا، مگر آپ کئی برس تک اس کی صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے، ایک ت کے بعد کسی ضرورت سے وقف نامہ دیکھنے کا اتفاق ہوا، اس وقت معلوم ہوا کہ واقف نے نرط رکھی ہے کہ اس کا صدر شافعی المسلک عالم ہی ہوگا تو آپ فوراً صدارت سے دستبردار ہوگئے، مورخ ابن الفوطی لکھتے ہیں:

فرتب شیخاً برباط المرزبانیۃ	پس آپ کو رباط مرزبانیہ کا صدر مقرر کیا گیا
فلم یزل الی اٰخر ایام المستنصر	اور آپ مستنصر باللہ کے آخری زمانہ تک
ثم نظر فی شرط الواقف فوجد	اس کے صدر رہے، اتفاق سے آپ نے
فیہ ان یکون شافعیا فعزل	وقف نامہ پڑھا تو دیکھا کہ وقف کرنے والے نے
نفسہ[۳]	اس میں یہ شرط رکھی ہے کہ اس کا صدر شافعی
	مسلک عالم ہو گا تو آپ فوراً اس منصب سے [علیحدہ ہوگئے]

[۱] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ، مکتبۃ العربیہ بغداد ۱۳۵۱ھ ص ۴، [۲] ملاحظہ ہو الطبقات الشافعیہ الکبریٰ مطبعۃ الحسینیہ مصر ج ۵ ص ۱۴۴، [۳] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ ص ۲۶۳

مستنصر باللہ کا انتقال جمادی الاخری ۶۴۰ھ کو ہوا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ صغانی
۶۳۹ھ تک اس خدمت پر مامور رہے، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ الحوادث الجامعہ
ہی میں "تتمۂ اخبار سنۃ ۶۴۴" کے ضمن میں یہ بھی موجود ہے کہ اسی سال (۶۴۴ میں) ص
رباط المرزبانیہ کی صدارت سے مستعفی ہو گئے اور شیخ الشیوخ علی بن النیار کو جو شافعی المذہب
عالم اور صوفی مشرب بزرگ تھے، صغانی کی جگہ صدر مقرر کیا گیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

فیھا عزل رضی الدین الحسن	رضی الدین حسن بن محمد الصغانی اسی سال
بن محمد الصغانی عن مشیخۃ	۶۴۴ھ میں رباط مرزبانیہ کی صدارت سے
رباط المرزبانیۃ لکونہ حنفیا	کنارہ کش مستعفی ہوئے، کیونکہ وہ حنفی تھے اور وقف
وشرط الواقف ان یکون شافعیا	یہ شرط تھی کہ صدر شافعی مسلک کا عالم ہوگا،
واضیف الرباط الی الشیخ علی	اس کے بعد رباط مرزبانیہ کی زمام شیخ علی
بن النیار[1]	ابن النیار کے ہاتھ میں دیدی گئی۔

مذکورۂ بالا بیان میں اس امر کی تصریح ہے کہ صغانی کے بعد رباط مرزبانیہ کا صدر شیخ علی
ابن النیار کو بنایا گیا تھا، اس لیے یہی قول زیادہ صحیح ہے لیکن مورخین کا اس امر میں اختلاف
کہ علی بن النیار کو شیخ الشیوخ ۶۴۲ھ میں بنایا گیا ہے یا ۶۴۳ھ میں، یہ اختلاف بھی دراصل اس ا
پر مبنی ہے کہ وزیر نصیر الدین احمد بن الناقد کا انتقال ۶۴۲ھ میں ہوا یا ۶۴۳ھ میں، کیونکہ اس کے

---

[1] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ ص ۲۰۷، علی بن محمد بن الحسین نام، ابو المظفر کنیت اور شمس الدین لقب تھا
بڑے جید عالم اور صوفی مشرب بزرگ تھے، خلیفہ مستعصم باللہ کے مربی رہ چکے تھے، آپ ہی نے مستعصم کو قرآن مجید حفظ
کرایا، تجوید کی تعلیم دی اور خوشنویسی سکھائی تھی، اس لیے مستعصم باللہ کے دور خلافت میں انھیں بڑا اعزاز حاصل ر
۶۵۶ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا، حالات کے لیے ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ ص ۳۴۴ ا
البدایہ والنہایہ مطبعۃ السعادہ مصر ج ۱۳ ص ۲۱۳

انتقال کے بعد خلیفہ مستعصم باللہ نے قلمدان وزارت شیخ علی بن النیار کو سپرد کرنا چاہا تھا، مگر انھوں نے یہ کہکر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میں نے صوفیانہ لباس پہن لیا، اسے نہیں اتار سکتا، ان کا مکالمہ بھی پڑھنے کے لائق ہے، ابن الفوطی لکھتے ہیں:

فلما توفی الوزیر ابن الناقد خاطبه	جب وزیر بن الناقد نے وفات پائی تو خلیفہ
فی تقلید الوزارة فابی وقال	نے انکو وزیر بنانا چاہا، انھوں نے اس سے انکار
انی عاهدت الله ان لا اغیر	کر دیا اور فرمایا میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ
لبس المتصوفین ولا انزع عنی	فقیرانہ لباس نہیں بدلوں گا اور جس کو میں نے
ما تعودته فقیل له نحن نوافقك	اختیار کر لیا ہے اس کو نہیں چھوڑوں گا، ان سے
علی ذلك بحیث تؤرخ الناس	کہا گیا ہم اس پر بھی آپ کی وزارت سے اتفاق
ان شخصا یختص بنا ندبناه الی	کرتے ہیں تاکہ مورخین یہ لکھیں کہ ایک ایسے شخص
الوزارة فابی ان یغیر زیه	کو جو ہم سے وابستہ تھا، ہم نے وزارت قبول
فاجبناه الی ذلك فقال لان	کرنے کی دعوت دی مگر اس نے اپنے فقیرانہ
تؤرخ الناس ان شخصا متصوفا	لباس کے بدلنے سے انکار کر دیا لیکن ہم نے
حسن فیه الظن وندب الی	اس شرط کو بھی قبول کر لیا، اس پر انھوں نے
الوزارة فامتنع احسن من ذلك	کہا کہ مورخین کا یہ لکھنا کہ ایک صوفی مشرب
فحینئذ فوضت الیه مشیخة	انسان کو جس کے ساتھ انھیں حسن ظن تھا
الشیوخ ببغداد ... خوطب بشیخ	وزارت کی دعوت دی گئی مگر اس نے انکار کیا
الشیوخ ..... ثم اضیف الیه مشیخة	یا وزارت اٹھانے سے بہتر ہے، اس وقت
رباط المرزبانیة[1]	انھیں مشائخ بغداد کا صدر بنایا گیا اور شیخ الشیوخ

[1] الحوادث الجامعہ ص ۲۸۵

ان کی اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن العلقمی کو وزارت کا عہدہ ملا جس نے تاتاریوں سے مل کر خلافت اور عروس البلاد بغداد کا خاتمہ کر دیا، ابن کثیر نے ان ہی بزرگ کی وفات پر یہ فقرہ لکھا ذبح بدار الخلافة کما تذبح الشاة (دار الخلافت بغداد میں انھیں اس طرح ذبح کر دیا گیا جس طرح بکری کو ذبح کیا جاتا ہے)

ابن الفوطی کا خیال بھی یہی ہے، وزیر نصیر الدین کا انتقال ۶۴۲ھ میں ہوا ہے، لیکن ابن الطقطقی نے الآداب السلطانیہ[1]، ذہبی نے دول الاسلام[2] اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ[3] میں تصریح کی ہے کہ اس کا انتقال ۶۴۲ھ میں ہوا تھا، ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی سال علی بن النیار کو شیخ الشیوخ بنایا گیا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صغانی اس اہم خدمت پر کم و بیش پانچ برس مامور رہے اور مستنصر باللہ کے زمانۂ خلافت میں نہیں بلکہ مستعصم باللہ کے دور خلافت میں اس خدمت سے سبکدوش ہوئے تھے،

(باقی)

---

[1] ملاحظہ ہو الآداب السلطانیہ طبع مصر ص ۲۴۴ [2] دول الاسلام طبع اول دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۳۷ھ ج ۲ ص ۱۱۲ [3] البدایہ والنہایہ مطبعۃ السعادہ مصر ج ۳ ص ۱۶۴

بزم مملوکیہ

جس میں ہندوستان کے مملوک یعنی غلام سلاطین، امرا اور شہزادوں کی علم نوازی، اور معارف پروری کے حالات اور ان کے دربار سے متوسل علماء و فضلا اور ادبا و شعراء کے کمالات پر تبصرہ کیا گیا ہے، (مرتبہ سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم، اے)

صفحات ۳۵۰ - قیمت: ۵ روپئے ۵۰ نئے پیسے

منیجر

مقالات

امام حسن بن محمد الصغانی لاہوری

از جناب مولانا عبد الحلیم چشتی فاضل دیوبند

(۸)

مدرسہ تتشیہ میں صغانی کا تقرر

جب صغانی ۶۴۲ھ میں رباط المرزبانیہ کی صدارت سے سبکدوش ہوئے تو خلیفۂ بغداد مستعصم باللہ نے ان کو خمارتکین[۱] کے مدرسۂ تتشیہ[۲] میں مدرس مقرر کر دیا اور

---

[۱] افسوس ہے اس مخلص اور خیر خواہ کے تذکرے سے تاریخ اور تذکرہ کی متداول کتابیں یکسر خاموش ہیں، جو سرایۂ جستجو اور تلاش کے بعد ہاتھ آیا ہو ہدیۂ ناظرین ہے، خمارتکین بن طاشتکین المتوفی ۵۰۵ھ سلطان الپ ارسلان کے فرزند تاج الدولہ ابوسعید تتش السلجوقی المتوفی ۴۸۸ھ کا غلام تھا، تاج الدولہ ابوسعید نے اس کو پہلی مرتبہ ایک بار شتر نمک کی قیمت میں خریدا تھا، یہ جوہر قابل تھا، اس نے اپنی وفاداری، فرض شناسی، غیر معمولی شجاعت اور قابلیت کی وجہ سے جلد ہی اپنے آقا کی نگاہ میں ایک خاص مقام پیدا کر لیا تھا، اس کے انتقال کے بعد محمد بن ملک شاہ المتوفی ۵۱۱ھ کے دربار میں اس کو بڑی جاہ و منزلت حاصل ہو گئی تھی، اس کے دور حکومت میں اس کا طوطی بولتا تھا، اس کے پاس مال و دولت کی بڑی فراوانی تھی، اور اس نے رفاہ عام کے کارہائے نمایاں انجام دیے، حاجیوں اور مسافروں کے لیے رے اور سمنان میں نہایت عالیشان سرائیں تعمیر کرائیں، بغداد میں مسجدیں اور سڑکیں بنوائیں، شفاخانے اور مدرسے کھولے، مگر اس وفادار اور حق شناس خادم نے ان سب کو اپنے نام سے انتساب کے بجائے اپنے آقا کے نام سے نسبت ہی کو باعث فخر سمجھا، اسکے اخلاص کی یہ برکت تھی کہ دو سو برس تک ان سے خلق خدا کو فیض پہنچتا رہا، یاقوت رومی المتوفی ۶۲۶ھ

(باقی حواشی صفحہ ۱۶۶ پر)

خلعت خاص سے سرفراز فرمایا، پہلی مرتبہ اس کا اصل محرک اور بانی اگرچہ ابوسعد صوفی تھا، مگر اس کا

(بقیہ حواشی ص ۱۶۵) معجم البلدان میں رقم طراز ہے:-

تتش التاآن مضمومتان والشين معجمة وهو اسم رجل ينسب اليه مواضع ببغداد وهي سوق قرب المدرسة النظامية يقال له العقار التتشي ومدرسة بالقرب لاصحاب ابي حنيفة يقال التتشية وبيمارستان بباب الازج يقال له التتشي والجميع منسوب الى خادم يقال له خمارتكين كان للملك تاج الدولة تتش بن الب ارسلان بن داؤد بن سلجوق قالوا وكان ثمن خمارتكين هذا في اول شرائه حملا ملحا وعظم قدره عند السلطان محمد بن ملك شاه ونفذ امره وكثرت امواله وبني ما بناه مما ذكرنا في بغداد وبني بين الري وسمنان رباطا عظيما ينتفع الحاج والسابلة وغيرهم وامضى السلطان محمد ذلك كله وجميع ما ذكرناه في بغداد موجود معمور الآن جار على احسن نظام عليه الوكلاء يحيون امرها

تتش یہ ہر دو تا مضموم اور شین معجمہ کے ساتھ ہے، یہ ایک شخص کا نام ہے، اس کی طرف متعدد مقامات منسوب ہیں، مدرسہ نظامیہ کے قریب ایک بازار بھی اسی کے نام سے موسوم ہے، جس کو عقار تتشی کہا جاتا ہے، احناف کا ایک مدرسہ بھی اس کے پاس ہے جس کو مدرسۂ تتشیہ کہا جاتا ہے، باب الازج کے پاس ایک شفاخانہ بھی ہے جو شفاخانہ تتشی کے نام سے پکارا جاتا ہے، اور یہ سب اسی ایک خادم کی طرف منسوب ہیں جس کا نام خمارتکین ہے، یہ سلطان تاج الدولہ تتش بن الب ارسلان ابن داؤد بن سلجوق کا خادم اور غلام تھا، اور جس وقت پہلی مرتبہ اس کو خریدا تھا اس کی قیمت ایک بار شتر نمک تھی، محمد بن ملک شاہ کے یہاں اس کا بڑا مرتبہ تھا، اس کا حکم چلتا تھا اور اس کو بڑی ثروت حاصل ہو گئی تھی، اس نے بغداد میں ان چیزوں کو بنایا جس کا اوپر ہم نے ذکر کیا ہے، رے اور سمنان میں بھی اس نے بڑی بڑی سرائیں بنوائیں تاکہ حاجیوں اور مسافروں کو فائدہ پہنچے، اس کی بنا کردہ چیزوں کو سلطان محمد نے برقرار رکھا اور

(باقی حواشی ص ۱۶۷ پر)

روح و روان نہایت متعصب شافعی نظام الملک طوسی تھا جس کے نام سے یہ مدرسہ مشہور ہے،

(بقیہ حواشی ص ۱۹۶) دیکھئے فوتھانی وجود ہما بغداد میں آج بھی موجود اور آباد ہیں اور حسن انتظام
ومات خمارتکین ھذانی رابع کیساتھ چل رہی ہیں اور اسکی نگرانی اور دیکھ بھال
صفر ۵۰۸ کیلئے وکیل مقرر ہیں جو اپنی نگرانی اور مرمت وغیرہ پر
(معجم البلدان باب لتاء والثاء وما یلیھا) روپیہ خرچ کرتے رہتے ہیں، خمارتکین کا انتقال ۵۰۸ھ

عربی زبان کا پرگو اور صاحب دیوان شاعر عیسیٰ الحاجری المتوفی ۶۳۲ھ اسی کی نسل سے تھا، مورخ ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ وفیات الاعیان (طبع ایران ۱۲۸۴ھ ج ا ص ۵۳۴) میں رقمطراز ہیں:

ھو عیسیٰ بن سنجر بن بھرام بن جبریل بن خمارتکین بن طاشتکین الاربلی

اس میں اس کے باپ کا نام بھی بصراحت مذکور ہے،

۵ ہمارا خیال ہے کہ حنفیوں کا یہ مدرسہ مدرسہ نظامیہ کے مقابلہ پر قائم کیا گیا تھا جو کم و بیش دو سو برس تک خاموشی کے ساتھ اسلام کی خدمت کر رہا ہے، یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مدرسہ نظامیہ شوافع کا قائم کردہ اور شافعی مکتب خیال کے علماء کا مرکز اشاعت تھا، اس میں درس و تدریس کا منصب شافعی عالم ہی کو ملتا تھا اور اس کے دروازے حنفی علماء پر بند تھے، صرف و نحو تک پڑھانے کے لیے غیر شافعی کو جگہ نہ ملتی تھی، حالانکہ صرف و نحو کو حنفیت اور شافعیت سے کوئی علاقہ نہیں، کیونکہ بانیان مدرسہ نے وقف کے وقت یہ شرط لگا دی تھی کہ تدریس کا منصب بجز شافعی علماء کے اور کسی کو نہیں دیا جاسکتا، اس لیے بعض زمانہ ساز علماء نے یہاں پر درس و تدریس کی خاطر شافعی مسلک اختیار کر لیا تھا، مورخ ابن خلکان الشافعی المتوفی ۶۸۱ھ شیخ ابن الدہان ابوبکر المبارک الواسطی المتوفی ۶۱۲ھ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

تفقہ علی مذھب ابی حنیفۃ بعد ان کان حنبلیا ثم شغر (اشتغل) منصب تدریس النحو بالمدرسۃ النظامیۃ و شرط الواقف ان لا یفوض الا الی شافعی فانتقل الوجیہ الی مذھب الشافعی

وہ حنبلی تھے مگر فقہ حنفی کی تحصیل کی اور حنفی مسلک اختیار کیا، پھر جب مدرسہ نظامیہ میں نحو کی تدریس پر مامور ہوئے تو واقف کی اس شرط کے مطابق کہ کوئی منصب شافعی عالم کے سوا اور کسی کو نہیں دیا جائیگا، وجیہ (ابن الدہان کا لقب ہے) نے شافعی مذہب اختیار کر لیا،

یہی وجہ تھی کہ اس مدرسہ کے قائم ہونے کے بعد بغداد میں اختلافی مسائل کی بڑی گرم بازاری رہی ۔ مناظرے و مباحثے ہوئے، اور احناف کی تردید میں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں مسعود بن ابی شیبہ السندی کتاب التعلیم (مخطوطہ مجلس علمی کراچی ص ۱۳۰) میں تحریر فرماتے ہیں :

اردو	عربی
شافعی مذہب کا غلبہ بغداد میں نظام الملک	ظهر مذهب الشافعي حين ظهر
طوسی کے اقتدار کے زمانہ میں ہوا اور	فيهم نظام الملك وكانت فتنة
یہ حنفیوں اور مالکیوں کے لیے دیلمیوں کے	على اصحاب ابي حنيفة ومالك
فتنہ سے بھی بڑھ کر تھا، انھوں نے ان کی	اشد من الديلم وقد قتلوا منهم
کثیر تعداد قتل کی، اسی کے زمانہ میں امام	خلقاً كثيراً ووضعت في ايامه كتب
ابو حنیفہؒ کی مذمت اور معائب میں کتابیں	مثالب ابي حنيفة ومعائبه
لکھی گئیں، مگر اس کو زندگی میں بھی اور مرنے	وقد لقي جزاء ذلك حيا وميتا
کے بعد بھی اس کا پورا بدلہ ملا ہے، اس کے	حتى تناثرت اعضاءه بالجذام
اعضاء کوڑھ سے گل کر گرنے لگے، مار پیٹ	وعذب بالضرب والحبس و
ہوئی، قید و بند کی سزائیں اس نے بھگتیں،	احرقت رمته في سنة اثنتين
اور اس کی موت کے ۲۸۴ برس کے بعد	وثلاثين وستمائة بعد مائة
کافر تاتاریوں نے ۶۳۲ھ میں جب اصفہان	وثمان واربعين سنة احرقتها
پر قبضہ کیا، اس وقت اس کی ہڈیاں قبر سے	الكفار التتر لما استولوا
نکال کر جلا دیں، اس وقت اس کی تفصیل بیان کرنا غیر ضروری ہے۔	على اصفهان بسبب يطول ذكره

خلفاے بغداد کو ایک زمانہ کے بعد نظامیہ کے قیام سے پیدا شدہ منافرت کا صحیح احساس ہوا اور آخر مستنصر باللہ نے ایک جداگانہ مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، جو مدرسہ مستنصریہ کے نام

سے مشہور ہے، اس میں مذاہب اربعہ کی تعلیم کا صحیح انتظام کیا گیا تھا اور ہر مسلک کے علماء کو اس میں مدرس رکھا گیا تھا جس سے اتحاد و اتفاق کی ایک نئی روح علماء میں جلوہ گر ہوئی تھی،

ابن الفوطی نے (الحوادث الجامعہ ص ۲۹۰) شمس الدین محمد بن عبید اللہ الہاشمی الکوفی المتوفی ۶۷۵ھ کے تذکرہ میں لکھا ہے،

ولی التدریس بالمدرسۃ التتشیہ	آپ مدرسۂ تتشیہ میں تدریس کے منصب پر فائز رہے ہیں

جس سے ثابت ہوتا ہے مدرسہ تتشیہ میں ۶۷۵ھ تک تعلیم کا سلسلہ جاری تھا،

صغانی جب پہلی مرتبہ اس مدرسہ میں آئے تو ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور تدریس سے فارغ ہو کر برجستہ چند اشعار پڑھے، مورخ ابن الفوطی البغدادی لکھتے ہیں:

رتب الصغانی مدرسا بمدرسۃ	خلیفہ مستعصم باللہ نے صغانی کو خمارتکین
خمارتکین التتشی وخلع علیہ	کے مدرسہ تتشیہ میں مدرس مقرر کیا اور
وحضر المدرسۃ وخطب خطبۃ	خلعت سے سرفراز فرمایا، آپ مدرسہ میں آئے
فصیحۃ وذکر عشرۃ دروس	تو نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور جو دس
وانشد عند فراغہا	سبق آپ کے سپرد ہوئے تھے ان کی بابت کچھ فرمایا
	اور اس سے فارغ ہو کر حسب ذیل چند شعر پڑھے

فہاکم یا سادتی	منی دروسا عشرۃ
میرے بزرگو! مجھ سے	دس سبق پڑھ لو
فانتم معادن الفض	ـل الکرام البررۃ
آپ فضیلت کی کانیں ہیں	نیک اور شریف ہیں
ولست حبرا عالما	لکنّما محبرۃ
اور میں کوئی زبردست عالم نہیں	صرف ایک دوات ہوں

فلتعذروا اخاکم	فمثلکم من عذره[1]
تمھارا بھائی تم سے عذر قبول کرنے کے لیے کہتا ہے	تمھاری طرح بعض وہ لوگ ہیں جو عذر پیش کرنے میں مبالغہ کرتے ہیں

صغانی کے اس مدرسہ سے ترک تعلق کی کوئی شہادت نہیں مل سکی جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدرسۂ مذکورہ سے موصوف کا تعلق تاحیات برابر قائم رہا ہے،

خلیفۂ بغداد مستعصم باللہ کا وزیر موید الدین محمد ابن العلقمی غالی شیعہ ہونے کے باوجود آپ کو نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتا، بڑے احترام سے پیش آتا اور ہر طرح سے آپ کی دلجوئی اور خدمت کو اپنی سعادت سمجھتا تھا۔ اس کے اسی اخلاص و محبت کا نتیجہ تھا کہ صغانی بھی اس کا خیال رکھتے تھے، اس نے جہاں اور نادرۂ روزگار فضلاء کو اپنے فرزند عز الدین ابوالفضل محمد العلقمی کی تعلیم و تربیت پر مامور کیا تھا وہاں ادب اور لغت کی تعلیم کے واسطے آپ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اس کو پڑھانے کے لیے ابن العلقمی کے محل میں جاتے تھے۔ الحوادث الجامعہ کے مولف کا بیان ہے:

کان یتردد الی دار الوزیر	آپ وزیر کے فرزند عز الدین کو ادب کی تعلیم دینے کے
بشغل ولدہ عزالدین فی الادب[2]	واسطے اس کے دولتکدہ پر آیا جایا کرتے تھے،

صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی المتوفی ۷۶۴ھ تحریر فرماتے ہیں:

قرأ القرآن علی التقی حسن ابن	عز الدین نے قرآن مجید حسن بن الباقلانی
الباقلانی الحلی النحوی واللغة	الحلی النحوی سے اور لغت رضی الدین الصغانی
علی رضی الدین الصغانی[3]	سے پڑھی،

اس زمانہ میں امرا بھی جید عالم ہوتے تھے، اور ہر امیر کے پاس ایک کتب خانہ بھی ہوتا تھا۔ ابن العلقمی اعلیٰ درجہ کا انشاء پرداز اور بڑا صاحب ذوق وزیر تھا، وہ صرف وزیر ہی نہیں بلکہ حکومت کے

---

[1] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ مطبعۃ الفرات بغداد ۱۳۵۱ھ ص ۲۰۸ [2] ایضاً ص ۲۷۳ [3] ملاحظہ ہو الوافی بالوفیات مطبعۃ الدولہ استنبول ۱۹۳۱ء ج ۱ ص ۱۸۶

سیاہ و سفید کا مالک تھا، اس کا ذاتی کتب خانہ نوادر اور بیش قیمت کتابوں کا خزانہ اور دس ہزار مجلدات پر مشتمل تھا، ابن الطقطقی اس کے فرزند ابوالقاسم علی سے ناقل ہے:

اشتملت خزانته علی عشرة	اس کا کتب خانہ دس ہزار نہایت عمدہ
الآف مجلد من نفائس الکتب[1]	کتابوں پر مشتمل تھا،

یہی کتب خانہ تھا جسے اس نے ۶۴۴ھ میں اپنے محل سے دارالوزارت میں منتقل کر دیا تھا جس سے اس کا فائدہ عام ہو گیا تھا. وقتاً فوقتاً اس میں اور بھی علوم و فنون کی کتابوں کا اضافہ ہوتا رہا، ابن الفوطی لکھتے ہیں:

فتحت دار الکتب التی انشأها	وہ کتب خانہ جو ابن العلقمی نے اپنے گھر میں
الوزیر مؤید الدین ابن العلقمی	قائم کیا تھا، اس کو کھول دیا گیا اور اس میں
فی داره، ونقل الیها کتب من	مختلف علوم و فنون کی کتابیں داخل کی
انواع العلوم[2]	گئیں.

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

فتحت دار الکتب التی انشأها	وہ کتب خانہ جو وزیر موید الدین محمد بن
الوزیر مؤید الدین محمد بن	احمد العلقمی نے قائم کیا تھا، اس کو دارالوزارۃ
احمد العلقمی بدار الوزارة	میں کھولا گیا جس کی عمارت نہایت
وکانت فی نهایة الحسن ووضع	خوبصورت ہے اور اس میں نہایت
فیها من الکتب النفیسة والنافعة	عمدہ، نفیس اور مفید کتابیں جمع
شئ کثیر[3]	کی گئی تھیں،

---

[1] ملاحظہ ہو الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ مطبعۃ الموسوعات مصر ۱۳۱۷ھ ص ۳۰۱ [2] الحوادث الجامعۃ مکتبۃ العربیہ بغداد ۱۳۵۱ھ ص ۲۰۹ [3] البدایہ والنہایہ مطبع السعادۃ مصر ج ۱۳ ص ۱۷۰

صحاح جوہری کی تصحیح اور تحشیہ | صغانیؒ نے اپنے قلم سے صحاح جوہری کے ایک نسخہ کی تصحیح اور تحشیہ کرکے اسی کتب خانہ میں داخل کیا تھا، موصوف العباب الزاخر کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں :

قد صححت نسخة وحشيتها بخطي	میں نے مدینۃ السلام (بغداد) میں اللہ تعالےٰ
بمدينة السلام حماها الله تعالےٰ	اس کو اپنی حفاظت میں رکھے، صحاح جوہری
للخزانة الميمونة المعمورة الوزيرية	کے ایک نسخہ کی تصحیح کی اور اس پر اپنے قلم سے
المؤيدية زاد الله صاحبها	حواشی لکھکر وزیر موید الدین کے مبارک
من الارتقاء في درج الجلال	ومعمور کتب خانہ میں داخل کیا ہے، اللہ تعالےٰ
ورقاه وذريته عين الكمال	صاحب کتب خانہ کے مراتب میں ترقی عطا فرمائے
فمن رام مصداق ما ذكرت	اور اس کو اور اس کی آل اولاد کو کمال
فليقف عينه بادارتها فيها	کی چوٹی پر پہنچائے، پس جو کچھ میں نے کہا
وليرتع في رياض فرائدها	اگر کوئی اس کی تصدیق کرنا چاہتا ہے (کہ
وفوائد حواشيها[1]	صحاح جوہری میں ایک ہزار غلطیاں ہیں)
	تو اس کو کتاب میں اپنی نگاہ دوڑانا چاہیے
	اور اس کے یکتا موتیوں کے باغ سے فائدہ
	اٹھانا چاہیے اور حاشیوں کے فائدوں سے بہرہ ور ہونا چاہیے ۔

کتاب الذئب کا سبب تالیف | خلیفۂ وقت مستعصم باللہ کی قدردانی اور وزیر ابن العلقمی کی عزت افزائی نے صغانی کو ہمعصروں کی نظروں میں محسود بنادیا، چنانچہ بعض حاسدوں نے آپ کو طرح طرح سے تنگ کیا، مگر آپ خاموشی کے ساتھ برداشت کرتے رہے، مگر جب ان کی آتش حسد کسی طرح

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمۃ العباب قلمی اس کا نسخہ مولانا عبدالعزیز میمن زید مجدہم اور راقم السطور کے پاس موجود ہے۔

ٹھنڈی نہ ہوئی، تو صغانی نے ان کے وہ خصائل جو ان میں اور بھیڑیوں میں مشترک تھے، ایک رسالہ میں جمع کر دیے، اور اس رسالہ کا نام کتاب الذئب رکھا، آغاز رسالہ میں لکھتے ہیں:

هذا كتاب غريب مبناه، في اسامي	یہ کتاب جس کی اساس غیر مانوس الفاظ پر ہے
الذئب وكناه، حداني على جمعه	بھیڑیے کے ناموں اور کنیتوں کے بیان میں ہے،
تذاؤب بعض اهل زماني، ومن	میرے بعض ہمعصروں کا بھیڑیوں کی طرح
عصميات رواشقه رماني	مکاری اور خباثت میں میرے پیچھے لگ جانے
وانا اسئل الله تعالیٰ رد كيده	اور میری ہڈیوں میں گھس جانے والے تیز تیر
في نحره، وان يعيذني من شراره	پھینکنے والی کمانوں سے مجھ پر تیر برسانے
وشره وهو مجيب دعوة الداعي	نے اس کتاب کی ترتیب پر مجھے آمادہ کیا ہے،
اذا دعاه، ومنيل اهل الراجي	اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ ان کے
اذا رجاه[1]	مکر کو ان کے سینہ میں اتار دے اور اللہ تعالیٰ
	مجھے انکی شرارتوں اور برائیوں سے اپنی پناہ
	میں رکھے، وہی پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہے
	جب کوئی اسکو پکارتا ہے اور وہی آس لگانے والوں

اس واقعہ سے جہاں صغانی کی وسعت قلب کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں ان کے اخلاق و کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے،

صغانی کا مطالعہ درس و تدریس کے بعد صغانی کو جو وقت ملتا تھا وہ مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں گذرتا تھا، مطالعہ سے شغف اخیر عمر تک باقی رہا اور لغت میں آپ کا قول حرف آخر ہونے کے باوجود

[1] ملاحظہ ہو کتاب الذئب، یہ رسالہ مقامات الحنفی اور ابن ناقیا کے ساتھ مطبعہ احمد کامل استنبول سے ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا تھا۔

آپ کا مطالعہ ہمیشہ علم میں اضافہ کرتا رہا، چنانچہ لفظ مجراشہ کا علم ابن خالویہ کی طرح موصوف کو بھی ستر سال سے متجاوز عمر ہونے کے بعد ہوا تھا، جس وقت اس کا علم ہوا تو زبان قلم پر بے اختیار خدا کی حمد وثنا جاری ہوگئی، یہ واقعہ بھی پڑھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:

قال ابو عبد اللّٰہ الحسین بن خالویہ
النحوی فی کتاب لیس اجرأشت الابل
ای سمنت وامتلأت بطونها فهی
مُجرأشّةٌ بفتح الهمزة علی خلاف
القیاس کما قالوا الفج فهو مُلفج
واحصن فهو محصن واسهب فهو
مسهب، قال ابن خالویه وجدت
هذه اللفظة یعنی فهی مجرأشة
بعد سبعین سنة قال الصغانی
مؤلف هذا الکتاب انا وجدت
هذه اللفظة بعد سبعین سنة
والحمد للّٰه علی طول الاعمار وتردد
الآثار ومصاحبة الاخیار ومجانبة
الاشرار والاکثار من آلاء دیار
والحج والاعتمار جعلنی اللّٰه تعالیٰ
من اولیائه والابرار المستغفرین

ابوعبداللہ حسین بن خالویہ نحوی کتاب لیس
میں کہتا ہے اجرأشت الابل جب اونٹ
موٹا ہو جاتا ہے اور اس کی کوکھیں بھر جاتی
ہیں تو اس کے لیے لفظ مجرأشة خلاف قاعدہ
فتح ہمزہ کے ساتھ بولتے ہیں، جس طرح اہل عرب
الفج فہو ملفج اور احصن فہو محصن اور اسہب
فہو مسہب کہتے ہیں، ابن خالویہ کہتا ہے مجھے
یہ لفظ یعنی فہی مجرأشة ستر برس کے بعد معلوم
ہوا تھا، اس کتاب کا مولف صغانی کہتا ہے
مجھے بھی اس لفظ کا علم ستر برس کے بعد ہوا
اور تمام تعریفیں اللہ ہی کی ذات کے لیے ہیں
جس نے لمبی لمبی عمریں عطا کیں اور آثار اور
نقول کو دست بدست پہنچایا، نیک لوگوں
کی صحبت نصیب فرمائی اور بدکاروں سے
بچایا، دیار حبیب کی کثرت سے زیارت کا شرف
بخشا، حج اور عمرہ کی توفیق دی، مجھے اللہ تعالیٰ

بالاسحار الذاکرین اللہ	اپنے نیک بندوں میں بنا سے جو اخیر شب میں اس
بالعشی والابکار[1]	مغفرت کی دعا مانگتے ہیں اور صبح و شام یاد الٰہی میں

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صغانیؒ کا مطالعہ برابر جاری رہا، اس واقعہ سے ان کی باطنی کیفیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

تصنیف و تالیف کا شغلہ | اسی طرح تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی مرتے دم تک نہ چھوٹا، چنانچہ العباب الزاخر کی تالیف کے وقت لفظ بکم لکھا تھا کہ انتقال ہو گیا، سید مرتضیٰ الزبیدی تاج العروس میں لکھتے ہیں:

لما بلغ الشیخ الاجل الفاضل	شیخ اجل، فاضل، زاہد، امین اور حرم اللہ (مکہ)
الزاھد الامین الملتجئ الی حرم	کی پناہ کے طالب رضی الدین حسن بن محمد بن
اللہ تعالیٰ رضی الدین الحسن	حسن صاغانی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کے
بن محمد بن الحسن الصاغانی	سایہ میں رکھے، جب اپنی تالیف کردہ کتاب
تغمدہ اللہ تعالیٰ برحمتہ فی	العباب الزاخر میں اس جگہ (بکم) تک پہنچے تو
تصنیف کتابہ العباب الزاخر	تو موت نے ان کو چھین لیا اور کتاب تمام
الیٰ ھذا المکان اخترمتہ المنیۃ	رہ گئی، حکم اور فیصلہ بس اسی خدائے بزرگ
وبقی الکتاب مقطوعا والحکم للہ[2]	و برتر ہی کا جاری و ساری ہے۔

کسی شاعر نے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر حسب ذیل قطعہ کہا تھا۔

ان الصغانی الذی	حاز العلوم والحکم
صغانی جس کی ذات	علوم اور حکمتوں کی جامع تھی

---

[1] ملاحظہ ہو العباب الزاخر ردو گرافی کا پی اسلامک انسٹیٹیوٹ آف ریسرچ کراچی مادہ جرش [2] ملاحظہ ہو تاج العروس مادہ بکم

کان قصاری أمرہ ان انتھی الی بکمہ[1]

ان کا بھی سارا زور لفظ بکم تک پہنچکر ختم ہوگیا تھا اور کتاب ناقص رہ گئی

یہ قطعہ صنعت ایہام میں ہے کیونکہ یہاں لفظ بکم سے قریب اور بعید دونوں معنی مراد لیے

ہیں، بعید معنی ہی یہاں مراد ہیں کہ صغانی جو علوم و فنون اور حکمت کے ماہر تھے، وہ بھی لفظ

اس کی تشریح سے قاصر رہے اور کتاب ناتمام رہ گئی، دانشوران ناصری میں مذکور ہے:

"شاعر در این شعر در صناعت ایہامی کہ بکار بردہ و بمقتضی ایہام این صنعت دو معنی

ارادہ کردہ یکے بعید، دیگر قریب از معنی بعید این را ارادہ کردہ است کہ حسن کتاب مذکور

را تا مادہ بکم نوشتہ و آں را باتمام نرسانیدہ . . . . . یعنی ہمانا حسن صغانی کہ فنون و علوم

واصناف حکمتہا را فراہم نمود عاقبت امرش این شد کہ بمرگ گنگ گردید و زبانش

بستہ شد"[2]

درس و تدریس | یہی حال درس و تدریس کا تھا، یہ شغل بھی تاحیات منقطع نہیں ہوا، شرف الدین

کا بیان ہے:

قرأت علیہ یوم الاربعاء وتوفی لیلۃ الجمعۃ[3] | میں نے بدھ کو ان سے پڑھا اور جمعہ کی شب کو ان کا انتقال ہوگیا،

پاکستان کے مایۂ ناز فرزند حسن صغانی جن کا سکہ لغت و ادب فقہ و حدیث تمام اقلیموں

رواں تھا اور جو صرف و نحو، شعر و ادب، اخبار و انساب، رجال و سیرت کے امام تھے،

وجود پر علم و فضل اور ورع و تقویٰ کو ناز تھا، اس پیکر علم و تقویٰ جس نے کم و بیش نصف صدی

[1] ملاحظہ ہو بغیۃ الوعاۃ طبع مصر تذکرہ حسن صغانی [2] ملاحظہ ہو دانشوران ناصری طبع ایران ج ۱

[3] ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام ذہبی مخطوطہ رضا لائبریری رام پور (ترجمہ حسن صغانی)

اپنی تعلیم و تربیت اور درس و تدریس سے ایک عالم کو مستفید کیا تھا۔ اس قدسی صفات انسان نے تہتر (۷۳ سالہ[1]) سال کی عمر میں ۲۹ شعبان سنہ ۶۵۰ھ جمعہ کی شب کو بغداد میں اچانک انتقال کیا (رحمۃ اللہ علیہ) اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے:

صغانی کی وفات سے پیشتر ایک وصیت | صغانی کی وفات کا واقعہ بھی عجیب ہے، مشہور ہے کہ آپ کے پاس ایک زائچہ تھا جس سے آپ کی وفات کا دن اور وقت سب لکھا ہوا تھا، جب وہ دن قریب آیا تو آپ نے اپنے فرزندوں کو بلا کر پچاس دینار دیے اور وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میری لاش مکہ لیجا کر فضیل بن عیاض المتوفی سنہ ۱۸۷ھ کے پاس دفن کرنا، ابن الفوطی کا بیان ہے،

كان قد اوصى بذلك وان يحمل	انھوں نے وصیت کی تھی کہ انکی لاش مکہ معظمہ
الى مكة ويدفن مجاور الفضيل	لیجا کر فضیل بن عیاض کے پاس دفن کیجائے، انکی
بن عياض، ففعل اولاده	اولاد نے اس وصیت کے مطابق عمل اور ان کی
ذلك وتولى تجهيزه[2]	تجہیز و تکفین کا سامان کیا،

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

كان اوصى بذالك واعد خمسين	اس امر کی انھوں نے وصیت کی تھی اور جو شخص
دينار المن يحمله الى مكة[3]	انکی لاش کو مکہ لیجا کر دفن کرے اس کے لیے پچاس دینار

---

[1] ہم گذشتہ اوراق میں صغانی کی ولادت پر نہایت تفصیل سے بحث کر چکے ہیں جس سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر تہتر سال کی تھی، امام ذہبی نے بھی دول الاسلام میں تہتر (۷۳) سال کی عمر کو وثوق سے بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں

فيها توفى العلامة رضى الدين الحسن	اسی سال سنہ ۶۵۰ھ میں رضی الدین حسن
بن محمد الهندى الصاغانى صاحب	ابن محمد الہندی الصاغانی جو صاحب
التصانيف ببغداد وله ثلاث وسبعون سنة	التصانیف تھے، تہتر (۷۳) سال کی عمر میں بغداد
(دول الاسلام طبع حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۶۵ھ ج ۲ ص ۱۱۸)	میں انتقال فرمایا

[2] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ ص ۲۶۳ [3] ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام مخطوطہ رضا لائبریری رامپور تذکرہ حسن بن محمد الصغانی۔

وفات سے پہلے احباب کی دعوت | صغانی کو اس مقررہ دن کا بڑی بےچینی سے انتظار تھا، جب وہ دن آ
تو اس وقت آپ نہایت تندرست تھے، اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکرانہ میں اس دن اپنے احباب
اور شاگردوں کی پرتکلف دعوت کا انتظام کیا اور ان کو اپنے مکان پر رات کے کھانے پر مدعو کیا جب وہ
کھانے سے فارغ ہو کر رخصت ہو گئے تو تھوڑی دیر کے بعد ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔
آپ کے شاگرد حافظ الحدیث شرف الدین الدمیاطی فرماتے ہیں:

كان معه مولود[۱] وقد حكم	صغانی کے پاس ایک زائچہ تھا جس میں انکی موت
فيه بموته في وقته فكان يترقب	کا دن اور وقت بھی مذکور تھا، آپ اس دن
ذلك اليوم فحضر ذلك اليوم	کا انتظار کیا کرتے تھے، جب وہ دن آیا تو آپ
وهو معافا فعمل واصحابه طعاما	اچھے بھلے تھے، خدا کی اس نعمت کے شکر کے طور پر
شكرا لله ذلك وفارقناه وعدت	اپنے احباب کی دعوت کی، اور جب ہم کھانا کھا
الى الشط فلقيني شخص اخبرني	ان سے رخصت ہوئے اور میں دجلہ کے کنارے ہی
بموته فقلت له الساعة فارقته	تک ہی پہنچا تھا کہ مجھے ایک شخص ملا اور اس نے
فقال والساعة وقع الحمام يخبر	انکی موت کی خبر دی، میں نے اس سے کہا ابھی تو میں
بموته فجأة وذلك سنة	ان سے ملکر آیا ہوں اس نے کہا ابھی ابھی ان کا انتقال
خمسين وستمائة[۲]	ہوا ہے، وہ شخص انکی اچانک موت کی خبر دے رہا تھا

۱۔ واضح رہے کہ مولود کا ترجمہ ولد اور لڑکا صحیح نہیں، یہاں مولود کے معنی زائچہ ہیں، ڈوزی نے عربی کی جو لغت لکھی ہے اس میں بصراحت لکھا ہے کہ مولود کا لفظ زائچہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، نیز ما بعد کا جملہ خود اس معنی کا ثبوت ہے، یہی معنی دانشوران ناصری میں مذکور ہیں، محمد علی تبریزی نے ریحانۃ الادب فی تراجم المعروفین بالکنیۃ واللقب (چاپخانہ شرکت سہامی ۱۳۶۸ھ قمری ج ۲ ص ۴۵۳) میں بھی زائچہ ہی ترجمہ کیا ہے۔ دہخدا نے بھی لغت نامہ (طبع طہران ۱۳۲۵ھ) میں ترجمہ میں زائچہ کا لفظ اختیار کیا ہے۔
۲۔ ملاحظہ ہو بغیۃ الوعاۃ

جب صغانی کا انتقال ہو گیا تو انھیں اسی مکان میں جس میں ان کا قیام تھا، عارضی طور پر دفنا یا گیا، یہ مکان حریم طاہری میں واقع تھا، [1] دمیاطی کہتے ہیں :

---

[1] یاقوت رومی المتوفی ۶۲۶ھ المشترک وضعاً والمفترق صقعاً (طبع گوٹن جرمنی ۱۸۴۶ء ص ۱۳۰) میں لکھتے ہیں :

الحریم الطاهری فی اعلا مدینة	حریم طاہری مدینۃ السلام بغداد کے مغرب کی طرف بالائی حصہ میں
السلام بغداد بالجانب الغربی کان	واقع ہے یہاں آل طاہر بن الحسین کے مکانات تھے جو یہاں آکر
منازل آل طاهر بن الحسین وکان	پناہ لیتا تھا وہ مامون ہو جاتا تھا اسی لیے اسکو حریم کہتے ہیں
من لجاء الیه امن فسمی الحریم	

جہاں تک معلوم ہو سکا ہے ۶۲۳ھ میں صغانی کی ہندوستان سے روانگی کے بعد بغداد میں یہ موصوف کا دوسرا مکان تھا پہلا مکان باب الازج کے پاس تھا، یہ ایک محلہ کا نام ہے، جو بغداد کے مشرقی حصہ میں واقع تھا، اسی مکان میں صغانی نے مغرب (اندلس وغیرہ) کے بعض علماء کو مشارق الانوار کی سند دی تھی جس کے آخر میں اس کا تذکرہ موجود ہے، وہو ہذا

سمع جمیع هذا الکتاب وهو مشارق	یہ پوری کتاب جس کا نام مشارق الانوار النبویہ
الانوار النبویة من صحاح الاخبار	من صحاح الاخبار المصطفیہ ہے، اس کو شیخ
المصطفیة علی مصنفه الشیخ الامام	امام علامہ اجل، رئیس اصحاب، صدر محترم
العالم الاجل رئیس الاصحاب الصدر	مکرم، امت کے سردار، ائمہ کے معتمد، حرم بیت اللہ
الکبیر المحترم قدوة الامم وعمدة	میں پناہ کے طلبگار، رضی الدین ابو الفضائل
الائمة الملتجئ الی حرم الله تعالی	حسن بن محمد بن حسن الصغانی رضی اللہ عنہ
رضی الدین ابی الفضائل الحسن بن	کے سامنے فقیہ، امام، حافظ متقن جمال الدین
محمد بن الحسن الصغانی رضی الله عنه	ابو بکر محمد بن احمد ابن محمد بکری الشریشی
بقراءة الفقیه الامام الحافظ المتقن	اور فقہا کے سردار برہان الدین ابراہیم
جمال الدین ابی بکر محمد بن احمد بن	ابن یحییٰ بن ابی جفان کمناسی، سعد الدین
محمد البکری الشریشی والسادة الفقها	سعد بن احمد بن احمد بن عبد اللہ جذامی
برهان الدین ابراهیم بن یحیی بن ابی	البیانی، محی الدین ابو الحسن علی بن یحییٰ بن
جفان المکناسی وسعد الدین	علی النمیری الغرناطی، رضی الدین سلیمان بن

وفات سے پہلے احباب کی دعوت | صغانی کو اس مقررہ دن کا بڑی بےچینی سے انتظار تھا، جب وہ دن آیا تو اس وقت آپ نہایت تندرست تھے، اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کے شکرانہ میں اس دن اپنے احباب اور شاگردوں کی پرتکلف دعوت کا انتظام کیا اور ان کو اپنے مکان پر رات کے کھانے پر مدعو کیا، جب لوگ کھانے سے فارغ ہوکر رخصت ہوگئے تو تھوڑی دیر کے بعد ہی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

آپ کے شاگرد حافظ الحدیث شرف الدین الدمیاطی فرماتے ہیں:

کان معہ مولودٌ[1] وقد حکم	صغانی کے پاس ایک زائچہ تھا جس میں انکی موت
فیہ بموتہ فی وقتہ فکان یترقب	کا دن اور وقت بھی مذکور تھا، آپ اس دن
ذالک الیوم فحضر ذالک الیوم	کا انتظار کیا کرتے تھے، جب وہ دن آیا تو آپ
وھو معافا فعمل واصحابہ طعامًا	اچھے بھلے تھے، خدا کی اس نعمت کے شکر کے طور پر
شکرا لذالک وفارقناہ وعدیت	اپنے احباب کی دعوت کی، اور جب ہم کھانا کھا
الی الشط فلقینی شخص اخبرنی	ان سے رخصت ہوئے اور میں دجلہ کے کنارے ہی
بموتہ فقلت لہ الساعۃ فارقتہ	تک ہی پہنچا تھا کہ مجھے ایک شخص ملا اور اس نے
فقال والساعۃ وقع الحمام یخبر	انکی موت کی خبر دی، میں نے اس سے کہا ابھی تو میں
بموتہ فجأۃ وذالک سنۃ	ان سے ملکر آیا ہوں اس نے کہا ابھی ابھی ان کا انتقال
خمسین وستمأۃ[2]	ہوا ہے۔ وہ شخص انکی اچانک موت کی خبر دے رہا تھا[2]

(ص ۸۳ ۔ ج ۱۶ ۔ ح ۲)

---

[1] واضح رہے کہ مولود کا ترجمہ ولد اور لڑکا صحیح نہیں، یہاں مولود کے معنی زائچہ ہیں، ڈوزی نے عربی کی جو لغت لکھی ہے اس میں بصراحت لکھا ہے کہ مولود کا لفظ زائچہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، نیز ما بعد کا جملہ خود اس معنی کا ثبوت ہے، یہی معنی دانشوران ناصری میں مذکور ہیں، محمد علی تبریزی نے ریحانۃ الادب فی تراجم المعروفین بالکنیۃ واللقب (چاپخانہ شرکت سہامی ۱۳۶۸ھ قمری ج ۲ ص ۴۵۳) میں بھی زائچہ ہی ترجمہ کیا ہے۔ دہخدا نے بھی لغت نامہ (طبع طہران ۱۳۲۵ھ) میں ترجمہ میں زائچہ کا لفظ اختیار کیا ہے۔

[2] ملاحظہ ہو بغیۃ الوعاۃ

جب صغانی کا انتقال ہو گیا تو انھیں اسی مکان میں جس میں ان کا قیام تھا، عارضی طور پر
دفنایا گیا، یہ مکان حریم طاہری میں واقع تھا، دمیاطی کہتے ہیں :[1]

---

[1] یاقوت رومی المتوفی ۶۲۶ھ المشترک وضعاً والمفترق صقعاً (طبع گوٹن جرمنی ۱۸۴۶ء ص ۱۳۰) میں لکھتے ہیں :

الحریم الطاھری فی اعلیٰ مدینة	حریم طاہری مدینۃ السلام بغداد کے مغرب کیطرف بالائی حصہ میں
السلام بغداد بالجانب الغربی کان	واقع ہے یہاں آل طاہر بن الحسین کے مکانات تھے جو یہاں آکر
منازل آل طاھر بن الحسین وکان	پناہ لیتا تھا وہ مامون ہو جاتا تھا اسی لیے اسکو حریم کہتے ہیں
من لجاء الیه امن فسمی الحریم	

جہاں تک معلوم ہو سکا ہے ۶۳۴ھ میں صغانی کی ہندوستان سے روانگی کے بعد بغداد میں یہ موصوف کا دوسرا مکان
تھا، یہ مکان باب الازج کے پاس تھا، یہ ایک محلہ کا نام ہے، جو بغداد کے مشرقی حصہ میں واقع تھا، اسی مکان میں صغانی
نے مغرب (اندلس وغیرہ) کے بعض علماء کو مشارق الانوار کی سند دی تھی جس کے آخر میں اس کا تذکرہ موجود ہے، وہو ہذا

سمع جمیع ھذا الکتاب وھو مشارق	یہ پوری کتاب جس کا نام مشارق الانوار النبویہ
الانوار النبویة من صحاح الاخبار	من صحاح الاخبار المصطفیہ ہے، اس کو شیخ
المصطفیة علی مصنفه الشیخ الامام	امام علامہ اجل، رئیس اصحاب، صدر محترم
العالم الاجل رئیس الاصحاب الصدر	و مکرم، امت کے سردار، ائمہ کے معتمد، حرم بیت اللہ
الکبیر المحترم قدوة الامم وعمدة	میں پناہ کے طلبگار رضی الدین ابو الفضائل
الائمة الملتجئ الی حرم اللہ تعالیٰ	حسن بن محمد بن حسن الصغانی رضی اللہ عنہ
رضی الدین ابی الفضائل الحسن بن	کے سامنے فقیہ، امام، حافظ متقن جمال الدین
محمد بن الحسن الصغانی رضی اللہ عنه	ابو بکر محمد بن احمد ابن محمد بکری الشریشی
بقرأة الفقیه الامام الحافظ المتقن	اور فقہا کے سردار برہان الدین ابراہیم
جمال الدین ابی بکر محمد بن احمد بن	ابن یحییٰ بن ابی جفان مکناسی، سعد الدین
محمد البکری الشریشی والسادة الفقها	سعد بن احمد بن احمد بن عبد اللہ جذامی
برھان الدین ابراھیم بن یحیی بن ابی	البیانی، محی الدین ابو الحسن علی بن یحییٰ بن
جفان المکناسی وسعد الدین	علی النمیری الغرناطی، رضی الدین سلیمان بن

(باقی ص ۱۸۰ پر)

حضرت دفنه بدارالاباالحريم الطاهری	صغانی کے دفن کے وقت جب انھیں انکے گھر کے اندر دفن کیا گیا، میں وہاں موجود تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷۹) سعد بن احمد بن احمد
بن عبد الله الجذامی البیّانی
ومحی الدین ابوالحسن علی بن یحیی
بن علی التمیری الغرناطی درضی الدین
سلیمان بن یوسف بن محمد بن ابی
عیان الملیانی وشهاب الدین
ابوعبد الله محمد بن محمد بن
بد والسبتی المالکی وشمس الدین
ابوعبد الله محمد بن میمون بن
علی الکوی وعبد الله بن محمد
بن ابی بکر الغسانی الاندلسی
المالکی عفا الله عنه فی مجالس
اخرها یوم الثلاثاء السابع
والعشرون من جمادی الآخرة
سنة سبع وثلاثین وستمأئة
نصح ذلك وثبت فی منزل الشیخ
المصنف من باب الازج وکتب
عبد الله بن محمد بن ابی بکر
الغسانی والحمد لله وحده و
وصلواته علی محمد وآله وسلامه

یوسف بن محمد بن ابی عیان الملیانی،
شہاب الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد
ابن بد والسبتی مالکی، شمس الدین
ابو عبد اللہ محمد بن میمون بن علی
الکوی اور عبد اللہ بن محمد بن ابی
بکر الغسانی الاندلسی المالکی
عفا اللہ عنہ کی قرأت سے مختلف
نشستوں میں جن میں سے آخری
نشست دوشنبہ ۲۷ جمادی الآخرہ
۶۳۷ھ کو تھی، اس کتاب کا سماع
ہوا، اور مصنف کے مکان پر جو
باب الازج میں واقع ہے پایۂ
تکمیل کو پہنچا، یہ عبارت عبد اللہ
ابن محمد بن ابی بکر الغسانی نے
قلمبند کی ہیں، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ
کے لیے خاص ہیں، اور درود وسلام
محمدؐ اور ان کی آل واصحابؓ
. . . .
. . . .
. . . .

(باقی ص ۱۸۱ پر)

ابن الفوطی کا بیان ہے:

دفنه اصحاب الوزیر	انکی تدفین کے وقت وزیر کا عملہ بھی موجود تھا

وصیت کے مطابق صغانی کی مکہ میں تدفین | چند دنوں کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق جسد خاکی کو یہاں سے مکہ لیجایا گیا، اور حرم مکہ میں جنۃ المعلاۃ کے اندر فضیل بن عیاضؒ کی قبر کے پاس سپرد خاک کیا گیا، موصوف کے مایۂ ناز شاگرد حافظ الحدیث دمیاطی جو استاد کی وفات کے بعد بغداد چھوڑ کر مکہ معظمہ آگئے تھے، لکھتے ہیں:

ثم نقل بعد خروجی من بغداد	میرے بغداد سے مکہ نکلنے کے بعد آپ کا
الی مکة فدفن بها[۱]	جسد خاکی مکہ لایا گیا اور وہاں دفن کر دیا گیا۔

ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل | اس طرح آپ کی وہ دعا قبول ہوئی جو آپ نے مشارق الانوار کے مقدمہ میں ان الفاظ میں مانگی تھی:

قال الملتجی الی حرم الله الحسن	حرم بیت اللہ کی پناہ کا طالب حسن بن محمد
بن محمد الصغانی بنهه للخطر العظم[۱]	الصغانی کہتا ہے کہ اللہ پاک اسکو بڑے خطرہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۰) صحیح ذلک وکتب الملتجی	یہ جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے، نوشتۂ الملتجی الی حرم اللہ الحسن
الی حرم الله تعالیٰ الحسن بن محمد بن الحسن	ابن محمد بن الحسن الصغانی اللہ تعالیٰ اسکو فضیلتوں
الصغانی احله الله اعلی مجال اولی الفضل	سے آراستہ اور دانشوروں کے اعلیٰ مقام
والحجی وجعله علما فی الفضائل	میں جگہ دے اور فضیلتوں میں اسکو ایسا اونچا علم بنادے
کالنجم فی الدجی حامداً ومصلیاً	جیسے ثریا تاریکی میں ہوتا ہے، حامداً و مصلیاً

(ملاحظہ ہو فہرست مخطوطات عربیہ کتب خانہ چیسٹر بیٹی ج ۲ بلیٹ نمبر ۵ مرتبہ جے آر بری طبع ڈبلین ۱۹۵۶ء)

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ صغانی جمادی الآخرہ ۶۱۳ھ سے پہلے بغداد گئے تھے، اور ہندوستان سے زیادہ بغداد میں مقبول رہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] ملاحظہ ہو تاریخ الاسلام مخطوط رضا لائبریری رام پور

قبل ان یضعضع الموت ارکانه	سے متنبہ فرا دیں تاکہ وہ نیک اعمال کا ذخیرہ کرلے
وحداه علی ان یعمر ربع الورع	اس سے پیشتر کہ موت اس کے اعضا کو ہلا دے،
ویشید بنیانه واباحه باحة	اور باری تعالیٰ اس کو پرہیزگاری کی منزل
سبوحة واتاح فیها غبوقه	آباد رکھنے اور اسکو مستحکم کرنے پر آمادہ رکھیں اور
وصبوحه واماته بها حمیداً	اسکو مکہ معظمہ کے میدان میں اتاریں، اور اسی میں
فاقبره ثم اذا شاء منها انشره[1]	اسکی صبح وشام کی شراب مقدر فرمادیں اور ایسی
	حالت میں وہیں اسکو موت دیں کہ لوگوں کی زبانوں
	پر اسکے حق میں خیر کلمے جاری ہوں اور وہیں اسکا مزار
	بنائیں، پھر قیامت کے دن وہیں اس کا حشر فرمائیں،

یہی دعا صغانی نے کتاب الذئب کے شروع میں ان الفاظ مانگی تھی:

قال الملتجیٔ الی حرم اللہ تعالیٰ	حرم بیت اللہ کا طلبگار حسن بن محمد بن حسن صغانی
الحسن بن محمد بن الحسن الصغانی	کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے بندوں کی
اعاذه اللہ من افتراس اغراض	اغراض کا شکار بننے سے پناہ میں رکھے اور
عباده واعاده برحمته الی اشرف	اپنی رحمت سے اس کو سب سے بزرگ وبرتر شہر مکہ
بلاده[2]	کیطرف لوٹائے اور وہیں مرنا نصیب کرے۔

[1] مشارق الانوار طبع آستانہ ۱۳۰۹ھ ص ۲ واضح رہے عبد اللطیف المتوفی ۸۸۵ھ نے مبارق الازہار (طبع آستانہ) میں لکھا ہے کہ فاقبرہ کے بعد اذا شاء منہا انشرہ کہنے سے شدت اہتمام کا اظہار ہے، پھر لکھا ہے کہ میرے والد اور شیخ عبد العزیز نے مجھ سے اپنے مشائخ کا یہ قول بیان کیا تھا کہ جو مکہ میں دفن ہوتا ہے اور وہ وہاں دفن ہونے کے لایق نہیں ہوتا تو فرشتے اس کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیتے ہیں، لہذا حقیقت میں یہ اس امر کی دعا ہے کہ باری تعالیٰ وہاں دفن ہونے اور وہیں سے حشر ہونے کے لایق اور مستحق کر دے [2] ملاحظہ ہو کتاب الذئب طبع استنبول ص ۲

صغانی کی وفات پر شاگردوں کے مرثیے | صغانی کے انتقال پر ان کے بعض شاگردوں نے مرثیے لکھے تھے، بعض مرثیے نہایت خوب ہیں، زمخشری نے اپنے استاد ابومضر کی وفات پر جو اشعار کہے تھے، صغانی کے ایک شاگرد نے اسی انداز پر ان کا مرثیہ لکھا ہے، ابن ابی مخزمہ نے اس واقعہ کو لکھکر اس کے چند شعر بھی نقل کیے ہیں، فرماتے ہیں:

قال الجندی واجتمعت برجل	جندی کہتے ہیں کہ میری ایک عجمی سے ملاقات
من العجم اسمه علی بن الحسن بن	ہوئی جس کا نام علی بن حسن بن محمد بن عمر بن
محمد بن عمر بن اسماعیل	اسمٰعیل شہرزوری تھا، وہ فقہاء کے
الشهرزوری کان یتزیا بزی	لباس میں رہتا تھا، مگر اس کے دماغ میں
الفقهاء وعلی ذهنه اشعار	عمدہ اشعار کا غلبہ تھا (وہ حسب ذوق تھا)
مستحسنة فتذاکرنا محاسن	عمدہ شعروں پر ہماری گفتگو ہوئی، میں نے
الشعر فذکرت له قول جار الله	اس کو جار اللہ محمود بن عمر زمخشری کے
محمود بن عمر الزمخشری فی	وہ شعر سنائے جو اس نے اپنے استاد ابو مضر
بیتین یرثی بها شیخه ابا مضر	کی وفات پر کہے تھے، وہ کہتا ہے۔

وقائلة ما هذه الدرر التی | تساقطها عیناک سمطین سمطین

محبوباؤں نے پوچھا یہ موتیوں کی دو لڑیاں تیری آنکھیں کیوں گرا رہی ہیں۔

فقلت هی الدر اللواتی حشی بها | ابو مضر اذنی تساقطن من عینی

تو میں نے کہا یہ وہ موتی ہیں جن کو ابو مضر نے میرے کانوں میں بھرا تھا اب وہ میری آنکھوں سے گر رہے ہیں۔

فقال لی قد اخذ هذا المعنی عم لی	تو اس نے کہا میرے چچا نے جن کا نام احمد بن
اسمه احمد بن محمد فی شعر رثی به	محمد ہے، اسی مفہوم کو ان اشعار میں نظم کیا ہے

شیخه ابا الفضائل الحسن بن محمد — جو انھوں نے شیخ ابوالفضائل حسن بن محمد

الصغانی فقال — الصغانی کے مرثیہ میں کہے ہیں، وہ کہتا ہے،

اقول والشمل فی ذیل النوی عثرا — یوم الوداع ودمع العین قد کثرا

میں کہتا ہوں جب جدائی کے دن آنسوؤں کی لڑی رواں تھی اور اجتماع وداع کے دامن پر پھسل رہا تھا

ابا الفضائل قد زوّدتنی اسفا — اضعاف ما زدت قدری فی الوری اثرا

(اسوقت) ابوالفضائل تم نے مجھے اسقدر ناچوگنا رنج واندوہ کا توشہ دیا، جتنا کمالات علمیہ دیکر دنیا میں

میری قدر و منزلت بڑھائی تھی،

قد کنت تودع سمعی الدر منتظما — فخذہ من جفن عینی الآن منتثرا[1]

تم نے میرے کانوں میں ایک سلک مروارید کو امانت رکھا تھا اب ان ہی موتیوں کو اس وقت میری مژگاں

سے ٹپکتے ہوئے لے لیجئے۔

وزیر محمد ابن العلقمی کے فرزند عزالدین العلقمی نے آپ کا جو مرثیہ لکھا تھا، اس کو ابن الفوطی نے نقل کیا ہے وہ بھی ہدیہ ناظرین ہے، کہتا ہے:

تخاطبنا الدنیا خطاب مناصح — واسماعنا عمّا تقول صوارف

دنیا ہم سے ناصح مشفق کی طرح خطاب کرتی ہو — اور جو کچھ وہ کہتی ہمارے کان اسکو سننے سے بھی گریز کرتے ہیں،

تخوفنا والامن حشو قلوبنا — کانّ سوانا من عنته المخاوف

وہ ہم کو ڈراتی ہو اور ہمارے دل امن سے معمور ہوتے ہیں۔ گویا کہ ڈرانیوالی چیزوں نے ہمارے سوا اوروں کو مراد لیا ہو حالانکہ اسکی مراد خود ہم لوگ

وترشدنا احداثها فنری الهدی — عیانا ولکنا غرورا تخالف

حوادث زمانہ ہمیں راہ دکھاتے ہیں اور ہم ہدایت کو صاف صاف دیکھتے ہیں، لیکن دھوکہ سے مخالفت کرتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ عدن طبع لیڈن ج ۲ تذکرۂ حسن بن محمد الصغانی

ونرجو من الایام عدلاً لجہلنا ویقضی بجورٍ فیہا المترادف

ہم نادانی کی وجہ سے زمانہ سے انصاف کی توقع رکھتے ہیں۔ اور اسکی پے درپے آنیوالی گردشیں ظلم کا فیصلہ کرتی ہیں،

ہوت بالصغانی الذی لج قدرہ علواً من الاقدار دہماء قاذف

وہ صغانی جس کے مقدر نے سربلندی میں اقدار (تقدیر الٰہی) سے مقابلہ کیا تھا اسکو ایک پھینکنے والی مصیبت نے گرادیا

لیبک علیہ العلم ان عاش بعدہ وتندب ان تبق النہی والمعارف

علم کو اس پر رونا چاہیے اگر وہ اسکے بعد زندہ رہے۔ اور اگر فہم ودانش بھی زندہ رہیں تو ان کو بھی اس پر نوحہ کرنا چاہیے

بکاک کتاب لم تتم فصولہ ودون امانی الرجال صوادف

تجھ پر وہ کتاب رو رہی ہے جس کی فصلیں ناتمام رہ گئیں (العباب) اور لوگوں کی امیدوں کے سامنے بہت سے موانع ہیں کہ ان کی آرزوئیں پوری نہیں ہوتیں،

کذا مجمع البحرین فرق شملہ[1] وغاص اکتئاباً موجہ المتقاذف

اسی طرح مجمع البحرین جس کا مرتب مواد منتشر ہوگیا، اور اس کی وہ تیز رفتار موج بھی غم کی وجہ سے تہ نشین ہوگئی

لئن اصبح التصحیف بعدک فاشیا لقد الفت بسط الوجوہ الصحائف

اور اگر تیرے بعد غلطیاں اور تصحیفات پھیل گئیں، تو کتابیں بھی منہ کھولنے سے ناک بھوں چڑھائیں گی،

فحال بنی الآداب بعدک حائل وبال بنی الآداب بعدک کاسف

تمہارے بعد بنی الآداب (ادب عربی کے شیدائیوں) کے درمیان ایک پردہ حائل ہوگیا ہے اور تمہارے بعد عربی ادب کے شیدائیوں کے دل بھی بجھ گئے ہیں،

---

[1] مجمع البحرین صغانی کی دو کتابیں ہیں، ایک لغت میں ہے اور دوسری حدیث میں، لغت کی کتاب ہمارے مطالعہ سے گذر چکی ہے وہ مکمل ہے، جو حدیث میں ہے وہ سید مرتضیٰ الزبیدی کے پیش نظر رہی ہے، انھوں نے جس انداز سے اس کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکمل ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صغانی نے مجمع البحرین کے نقل کرکے ان کے کتب خانہ میں داخل کرنے کا وعدہ کیا ہوگا، جو موت کی وجہ سے پورا نہ ہوسکا، اس شعر میں غالباً اسی طرف اشارہ ہے،

قضی فقضت ام الفضائل نحبھا وماحکمھا فیما قضت متجانف

ابوالفضائل کا انتقال ہوگیا توام الفضائل بھی رانڈ ہوگئی، اور اس نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ بیجا نہیں کیا،

ومات حمید احین لم یبق مشرق ولا مغرب الا لہ فیہ واصف[1]

اس کا اس حالت میں انتقال ہوا ہے کہ مشرق و مغرب ہر چہار سو اسکی تعریف کے لوگ گن گاتے ہیں،

ہم نے صغانیؒ کے صرف سوانح حیات پر روشنی ڈالی ہے، ان کے علمی کمالات، عادات واخلاق، تصنیفات، فضل وکمال اور شاگردوں پر کچھ نہیں لکھا ہے، کیونکہ یہ عنوانات بڑی تفصیل چاہتے تھے، ہم نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ نہایت عجلت میں لکھا ہے، جس کی حقیقت کو راقم السطور اور شاید مدیر محترم ہی جانتے ہیں، اگر مدیر محترم کا ماہانہ تقاضہ نہ ہوتا تو کچھ عجب نہ تھا کہ یہ حصہ بھی ناتمام ہی رہ جاتا اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی تو ہم ان عنوانات پر لکھکر پاکستان کے اس نامور فرزند پر ایک مستقل کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کرینگے۔ والحمد للہ اولاً وآخراً

---

[1] ملاحظہ ہو الحوادث الجامعہ ترجمہ حسن بن محمد الصغانی۔